قُلْ اِنَّ الْفَضْلَ بِیَدِ اللّٰہِ یُؤْتِیْہِ مَنْ یَّشَآءُ وَاللّٰہُ وَاسِعٌ عَلِیْمٌ

دیں کی نصرت کیلئے اک آسماں پر شور ہے | عَسٰۤی اَنْ یَّبْعَثَکَ رَبُّکَ مَقَامًا مَّحْمُوْدًا | اب گیا وقت خزاں آئے ہیں پھل لانیکے دن

دنیا میں ایک نبی آیا پر دنیا نے اسکو قبول نہ کیا لیکن خدا اسے قبول کریگا اور بڑے زور آور حملوں سے اسکی سچائی ظاہر کر دیگا (الہام مسیح موعود)

الفضل

چندہ غیر ممالک سے سات روپے

میں تیری تبلیغ کو زمین کے کناروں تک پہنچاؤں گا (الہام مسیح موعود)

جلد ۴ | ۱۳ فروری ۱۹۱۷ء | سہ شنبہ | مطابق ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۳۵ھ | نمبر ۶۲

فہرست مضامین

مدینۃ المسیح

سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ بنصرہ العزیز کی طبیعت دو تین روز سے بسبب اعادہ علیل ہے۔ سردرد اور کچھ تبخیر کی شکایت ہے خدا تعالیٰ حضور کو صحت عنایت فرمائے۔ آمین۔

ہفتہ مختتمہ میں مندرجہ ذیل احباب تشریف لائے۔ ماسٹر محمد زمان صاحب جموں سے۔ میاں رحیم بخش صاحب میاں عمر الدین صاحب عثمان پور۔ مختار احمد صاحب بہار نپور غلام علیشاہ کھوکھر۔ ستار محمد دوالمیال۔ عبد الجبار ہوسٹل مدراس۔ ابو الحسن صاحب سیلون۔ حسن محمد صاحب سمبڑیال۔ غلام نبی صاحب سمبڑیال سے۔

اطلاع کاتب کے بیمار ہو جانے اور جناب حافظ روشن علی صاحب

زرعی زمین کے خریداروں کو اطلاع

قادیان میں ایک زمین قریباً پچاس ساٹھ گھماؤں رہن ہونے والی ہے اسوقت زرعی زمین کی قیمت قادیان میں اڑہائی سو روپیہ گھماؤں تک ہے اس سے نصف یعنی سوا سو روپیہ فی گھماؤں پر یہ زمین رہن رکھی جائے گی چونکہ بعض احباب قادیان میں زمین لینے کے خواہشمند ہیں اسلئے اعلان کیا جاتا ہے کہ جو صاحب زمین لینا چاہتے ہوں فوراً دفتر الفضل میں اپنی درخواستیں بھیجدیں اور یہ بھی تحریر فرماویں کہ کسقدر زمین لینا چاہتے ہیں زمین کا اکثر حصہ قریباً ایک جگہ واقعہ ہے یعنی کھیت پاس پاس ہیں اگر فاصلہ ہے تو بہت کم جسمیں نگرانی میں فرق نہیں آسکتا زمین بارانی ہے لیکن ایک کنواں غیر آباد اس زمین میں ہے

(باہتمام شیخ عبد الرحمن صاحب قادیانی پرنٹر و پبلشر ضیاء الاسلام پریس قادیان میں چھپا)

جو سامان آب کشی لگا کر یا پانی دینے کے قابل ہو اسمیں نصف کے حصہ دار زمین کے مرتہن ہو سکتے ہیں۔ اس وقت اس میں لگان کا اوسطاً سات روپیہ فی گھماؤں ہے جس میں سے اوسطاً اڑھائی روپیہ سرکاری لگان کے جاتے ہیں مرتہن اپنی سہولت کیلئے اگر چاہیں تو یہ شرط کرا سکتے ہیں کہ دو یا تین سال کے بعد ہم تین چار ماہ کا نوٹس دیکر جس وقت چاہیں اپنا روپیہ واپس لینگے یا یہ کہ اتنی عرصہ تک راہن کو زمین چھڑانے کا اختیار نہ ہوگا۔

ضمیمہ اخبار الفضل کے متعلق اطلاع

مستورات کے متعلق جو ضمیمہ شائع کرنیکے لئے اخبار الفضل میں اعلان ہو چکا ہے اور اس کا ایک نمبر بطور نمونہ کے شائع بھی ہو چکا ہے اس کا کوئی اور نمبر شائع کرنیمیں اسلئے دیر ہے کہ خریداروں کا پتہ لگجائے کہ کسقدر احباب اسکے خریدار بننا چاہتے ہیں جب اندازہ ہو جائیگا تو متواتر نمبر نکلنے شروع ہونگے کاغذ وغیرہ کی گرانی کی وجہ سے بغیر اندازہ کئے زیادہ تعداد میں ضمیمہ شائع نہیں کیا جا سکتا اسلئے دوست جلد خریداری کی اطلاع دیں تاکہ ضمیمہ باقاعدہ شائع ہونا شروع ہو جائے۔

اخبار احمدیہ

لاہور میں سلسلہ کی تبلیغ

جناب مولوی غلام رسول صاحب راجیکی لاہور سے تحریر فرماتے ہیں کہ حسب تحریک خطبہ جمعہ (کہ جماعت کا ہر ایک فرد سلسلہ کا کوئی نہ کوئی کام اپنے ذمہ لے) پچیس تیس تک احباب نے مبلغین کی جماعت میں داخل ہونے کے لئے فہرست اسماء میں نام لکھوائے اور بعض نے تبلیغ کا بہت عمدہ نمونہ دکھایا کہ باقاعدہ رپورٹ ہفتہ وار میرے پاس پہنچاتے ہیں۔ درس باقاعدہ ہوتا ہے اچھی خاصی رونق ہو جاتی ہے پرسوں کئی شیعہ آئے تھے ایسا ہی مختلف خیال کے لوگ کبھی کبھی آجاتے ہیں مستورات میں بھی درس ہوتا ہے انمیں بعض غیر احمدی بھی ہوتی ہیں جو اچھا اثر لیکر جاتی ہیں۔

علاقہ جہلم میں تبلیغ

مولوی حافظ غلام رسول صاحب جہلم سے اپنے کامیاب دورہ تبلیغ کے متعلق تحریر فرماتے ہیں کہ دھنیالہ میں ایک شخص نے بیعت کی اور اس گاؤں میں بعض معزز اور تعلیمیافتہ لوگ بیعت کے لئے تیار ہیں۔ مولوی صاحب جب موضع مذکور میں وعظ فرما رہے تھے تو دو تین مولوی خاموش بیٹھے سنتے رہے بعد میں لوگوں نے انکو کہا کہ آپ لوگ پیچھے بہت کچھ باتیں کیا کرتے ہیں اب ان کے سامنے کیوں کوئی بات پیش نہیں کرتے لیکن وہ بالکل خاموش رہے۔

حقیقۃ النبوۃ کا کمال

محمد شاہ صاحب آسنور سے لکھتے ہیں کہ مخالفین خلافت اگرچہ بہت باتیں بناتے ہیں مگر وہ کوئی ایسا اعتراض نہیں کر سکتے جس کا جواب حقیقۃ النبوۃ میں نہ ہو۔ حیرت ہوتی ہے کہ مولوی محمد علی نے حقیقۃ النبوۃ سے بعد النبوۃ فی الاسلام لکھی مگر مولوی محمد علی کی کتاب کے سب جواب حقیقۃ النبوۃ میں موجود ہیں۔

سجووالی میں تبلیغ

برادر عبد القادر صاحب لکھتے ہیں کہ ہمارے پاس بابا محمد حسن صاحب واعظ آئے انہوں نے گاؤں میں تبلیغ کی وہ لوگ جو نماز نہیں پڑھتے تھے ان میں نماز کا شوق پیدا ہو گیا پھر انکو سلسلہ کی تبلیغ کی گئی جو انہوں نے شوق سے سنی برادر عبد القادر صاحب ایک صاحب کو جلسہ پر لائے تھے اس نے بیعت کر لی اسکے گاؤں کے لوگوں نے اس سے مکالمت و مواکلت سب بند کر دی کہا یا تو احمدیت چھوڑ دو۔ ورنہ تمہارے ساتھ ہمارا کوئی تعلق نہیں اسنے کہا کہ دونوں طرف کے مولویوں کی بحث کرا دو۔ پھر میں فیصلہ کرونگا۔ وہاں پر بابا محمد حسن صاحب نے وعظ کیا اور مولوی نبی بخش غیر احمدی سے وفات حیات و دعویٰ مسیح موعود پر بحث بھی ہوئی بابا صاحب نے آیات سے اپنے مطلب کو واضح کیا مولوی صاحب نے ایک آیت نہ پیش کی۔ بابا صاحب نے کہا کہ دراصل مولوی صاحب دل سے وفات مسیح کے قائل ہو گئے ہیں۔ بظاہر اقرار میں حجاب ہے اگر ایسا نہیں تو اچھا قسم کھالیں مولوی نے کہا کہ میں قسم نہیں کھاتا۔ کیونکہ میرا صرف ایک بیٹا ہے اسپر بعض لوگوں نے کہا کہ احمدی لوگ سچے ہیں۔

دہلی میں سلسلہ تبلیغ

بابو غلام حسنین صاحب لدھیانوی دہلی سے تحریر فرماتے ہیں کہ پنجاب کے لوگ تو ہماری باتوں کو سن بھی لیتے ہیں مگر دلی کے لوگ سننا بھی گوارا نہیں کرتے۔ تاہم تبلیغ کی جاتی ہے۔

سیالکوٹ میں تبلیغ

مولوی حکیم خلیل احمد صاحب اب حسب الحکم سیدنا حضرت خلیفۃ المسیح سیالکوٹ میں ہیں آپ کے وہاں پہنچنے پر جناب چوہدری نصر اللہ خان صاحب وکیل پریذیڈنٹ انجمن احمدیہ سیالکوٹ نے ایک اشتہار شائع کیا کہ حکیم صاحب دعوت اسلام پر تقریر کرینگے چنانچہ ۲۸ جنوری [illegible]ء کو جامع مسجد احمدیہ میں آپ نے تقریر کی اور حقیقت اسلام کو مبرہن اور اسلام کی فوقیت دیگر مذاہب عالم پر بدیں طریق ثابت کی کہ یہی اسکا کامل پیرو وہ کچھ پا سکتا ہے جو غیر مذاہب میں صرف روایات تک محدود ہے۔ چنانچہ آپ نے حضرت اقدس مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے وجود کو پیش کیا اور آخر میں جناب پیر حامد شاہ صاحب نے حاضرین سے توقع ظاہر کی کہ وہ آئندہ بھی اسی طرح تشریف لاکر ہمارے سلسلہ کے متعلق علم حاصل کیا کریں گے۔

(باقی دیکھو صفحہ ۱۶)

الفضل

بسم اللہ الرحمن الرحیم

مورخہ ۷ فروری ۱۹۱۷ء

اختلافات مابین احمدیان و غیر احمدیان

(جناب حافظ روشن علی صاحب کی وہ تقریر جو آپ نے سالانہ جلسہ پر بتاریخ ۲۶ دسمبر مسجد نور میں فرمائی)

سورہ شوریٰ کا دوسرا رکوع وما اختلفتم فیہ من شیء فحکمہ الی اللہ ذٰلکم اللہ ربی علیہ توکلت والیہ انیب پڑھکر فرمایا۔

حضرات! آپنے میرے مضمون کا عنوان سن لیا ہے کہ میں ان مسائل پر تقریر کروں جو احمدیوں اور غیر احمدیوں میں مابہ النزاع ہیں۔ اس عنوان کا یہ منشاء نہیں کہ میں صرف ان اختلافات کا ذکر ہی کردوں اور بتلادوں کہ فلاں فلاں مسائل میں اختلاف ہے بلکہ اس مضمون سے مدعا یہ ہے کہ میں ان اختلافات کو مدلل بیان کروں اور حق بات کا فیصلہ سناؤں کیونکہ محض اختلافات کا جاننا کافی نہیں۔

جو آیات میں نے اس وقت پڑھی ہیں ان میں فیصلہ کا طریق بتلایا گیا ہے جیسا کہ فرمایا ہے۔ وما اختلفتم فیہ من شیء فحکمہ الی اللہ کہ تم جس بات میں اختلاف کروگے اسمیں فیصلہ اللہ کی طرف سے ہوگا علیہ توکلت والیہ انیب۔ جو وہ فیصلہ کریگا وہ مجھے منظور ہوگا میرا اسی پر توکل ہے اور اسی کی طرف جھکتا ہوں۔ اور تمام اختلافی امور کا اسی سے فیصلہ چاہتا ہوں۔

اللہ تعالیٰ نے اختلافوں کے فیصلہ کے لئے قرآن کریم کو پیش فرمایا ہے اور اسکو یہ مرتبہ دیا کہ اختلافات کا فیصلہ کرے فرمایا۔ وما انزلنا علیک الکتٰب الا لتبین لہم الذی اختلفوا فیہ (سورہ نحل رکوع ۸) ہم نے تمہیں نازل کیا۔ تم پر کتاب مگر اس غرض سے کہ اختلافات کا فیصلہ کرے۔

پس ہر ایک اختلافات کا فیصلہ اسمیں ہے۔ اور میں ہر ایک جھگڑے میں خدا کی کتاب کی طرف توجہ کرتا ہوں جو یہ فیصلہ کرے وہ حق ہے۔

ہم میں اور غیر احمدیوں میں پہلا اختلاف

سو واضح ہو کہ پہلا اختلاف ہم میں اور غیر احمدیوں میں یہ ہے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خدا کے مکالمہ کو بند نہیں سمجھتے اور وہ بند سمجھتے ہیں اب سوال یہ ہے کہ آیا خداوند تعالیٰ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی سے کلام کر سکتا ہے یا نہیں ہمارا دعویٰ ہے کہ کر سکتا ہے مگر وہ کہتے ہیں کہ نہیں کر سکتا۔

اسمیں شک نہیں کہ خدا کی تمام صفات اسکے ارادہ کے ماتحت ہیں نہ کہ وہ مجبور ہے کہ چراغ کی مانند مجبوراً اس سے روشنی نکل رہی ہے کیونکہ چراغ بغیر ارادہ کے افاضہ کرتا ہے لیکن خداوند کریم اپنی قدرت طاقت اور ارادہ کے ماتحت اپنا فیضان فرماتا ہے۔

خدا کی صفات میں سے ایک صفت تکلم بھی ہے کہ اس سے وہ اپنے آپکو ظاہر کرتا ہے کہ میں ہوں اور اسی سے انا الموجود کی آواز آتی ہے۔

خدا کے کلام کی ضرورت کیا ہے؟

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ خدا کے کلام کی ضرورت کیا ہے؟ سو آپ لوگوں کو معلوم ہونا چاہیئے کہ جسقدر عقلی دلائل خدا تعالیٰ کی ہستی کے متعلق ہیں انپر غور کرنے اور نظر کرنے سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس تمام کارخانہ دنیا کا کوئی خالق ہونا چاہیئے اور یہ عقلی دلائل انسان کو اس نتیجہ پر نہیں پہنچاتے کہ کوئی صانع واقع میں موجود بھی ہے؟

دلائل عقلیہ صرف یہ ثابت کرتے ہیں کہ کوئی صانع ہونا چاہیئے لیکن اس سے یہ قطعاً نہیں معلوم ہوتا کہ ہے بھی اسلئے کہ عقلی دلائل سے جو یقین ہوتا ہے وہ کافی نہیں کیونکہ اس سے یہ تو ثابت نہیں ہوتا کہ کوئی صانع ہے بھی پس اس یقین کو حاصل کرنے کیلئے ضروری ہے کہ کلام ہو۔ تاکہ اسکے ذریعہ سے ظاہر ہو کہ خدا ہے چنانچہ خداوند کریم ہمیشہ اس ذریعہ سے اپنے تئیں ظاہر کرتا رہا ہے پھر خدا سے محبت اور اپنے جان مال کو اسکی راہ میں قربان کرنا کیسے ہو سکتا ہے جبتک اسکی طرف سے ندائے انا الموجود نہ آئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان اللہ اشتریٰ من المؤمنین انفسہم واموالہم بان لہم الجنۃ۔ کہ ہمنے مومنوں سے ان کے جان و مال کو خرید لیا ہے۔ اب ہم اپنی جان و مال کس طرح اسکو دیں اور اس سے محبت کس طرح کریں کیونکہ یہ تعلق صرف اس طرح تو پیدا نہیں ہوتا۔ کہ کوئی خدا ہونا چاہیئے جس سے ہم محبت کریں۔ محبت پیدا ہونیکے دو طریق ہیں۔

(۱) محبت ہوتی ہے حسن سے

(۲) یا معشوق کے کلام سے

بہت سے لوگ ہیں جو حسن پر فریفتہ اور ظاہری خوبی و رعنائی پر مفتون ہو جاتے ہیں لیکن بہت سے ایسے بھی ہوتے ہیں جو کلام سنکر عاشق ہوا کرتے ہیں کیونکہ کلام مظہر ہوتا ہے تمام اخلاق باطنی کا مگر آپ لوگوں نے دیکھا ہوگا۔ کہ کوئی شخص فوٹو پر عاشق نہیں ہوتا اسکی کیا وجہ ہے یہی کہ اگرچہ فوٹو میں آنکھ ناک سب کچھ دکھائی دیتا ہے مگر صفت تکلم سے چونکہ وہ عاری ہوتا ہے اسلئے کوئی شخص اسپر عاشق نہیں ہوتا۔ پس کلام ہی ایسی چیز ہے کہ جس سے کسی کے دل میں گھر کیا جاتا ہے حضرت مسیح موعود نے بھی فرمایا ہے ؎

بے شوقی عاشق نخے یارے
تا نبرد دل کند رخش کارے
ہمچنیں زاں پئے دو گفتارے
آں کند کار باچو دیدارے

جب خدا کا دیدار ان آنکھوں سے ناممکن ہے اور اگر کلام بھی نہ ہو۔ تو پھر اس سے عاشق کس طرح پر اپنا جوش دکھلائے کہ اسکے لئے اپنی جان و مال قربان کر دیا جائے پس خدا کی ہستی کے ثبوت کے لئے خدا کے کلام کی ضرورت ہے پہلی کتب خدا کا کلام تھیں مگر جوں جوں ان کتب پر زمانہ گزرتا گیا ہے اور انپر لوگوں کو شکوک پیدا ہوتے گئے اور خدا سے دور ہو گئے تو خدا تعالیٰ نے انکو اپنی طرف کلام کے ذریعہ ہی کھینچا اور ان شکوک کو اپنے کلام سے رفع کیا۔

خدا جس قوم سے کلام نہیں کرتا اسپر اسکا غضب ہوتا ہے

اب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اگر خدا کا کلام جاری نہ ہو تو اس سے کیا نقص پیدا ہوتے ہیں۔

(۱) اول خداوند کریم جس قوم یا فرد سے کلام نہیں کرتا

اور جس کی نسبت یہ فیصلہ ہو جائے کہ اب اس سے کلام نہ ہوگا اس سے خدا ناراض ہوتا ہے اور قطع کلام کرنا خدا تعالےٰ کے غضب کی علامت ہے چنانچہ فرماتا ہے۔ ان الذین یکتمون ما انزل اللّٰہ من الکتٰب ویشترون بہ ثمنا قلیلاً ۙ اولٰئک ما یاکلون فی بطونہم الا النّار ولا یکلمہم اللّٰہ یوم القیامۃ ولا یزکیہم ولہم عذاب الیم ۝ (۲-۱۶۱)

جو لوگ چھپاتے ہیں اسکو جو خدا نے اتارا ہی کتاب سے اور اسے تھوڑی قیمت پر بیچ دیتے ہیں وہ آگ کھاتے ہیں اللہ ان سے بات نہیں کریگا قیامت کے دن اور ان کو پاک نہیں کریگا اور ان کے لئے دردناک عذاب ہی یہاں عدم کلام کو سزا کے طور پر رکھا گیا ہے۔ تو یہ ایک نقص ہے جو اس قوم میں ہوا جس نے اپنے تئیں اس قابل نہ بنایا کہ خدا اس سے بات چیت کرے اب سوال ہوتا ہی کہ اگر خدا کلام نہ کرے تو کیا اس سے خدا میں بھی کوئی نقص پیدا ہو جاتا ہے اسکا جواب یہ ہی کہ ہاں قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے واتخذ قوم موسٰی من بعدہ من حلیہم عجلاً جسدا لہ خوار ۭ الم یروا انہ لا یکلمہم ولا یہدیہم سبیلا ۘ اتخذوہ وکانوا ظالمین (۷-۱۴۶) کہ موسیٰ کی قوم نے موسیٰ کے بعد بچھڑو کو معبود بنا لیا کیا وہ نہیں دیکھتے تھے کہ وہ ان سے بات نہیں کرتا تھا۔ نہ انکو راہ راست کی ہدایت کرتا تھا اسکو معبود بنا کر یہ تو ظالم ہو گئے جب وہ ایسا ہے کہ نہ کلام کرے نہ ہدایت دے تو پھر وہ کیسے معبود ہو سکتا ہے۔

اس آیت میں خدا تعالےٰ نے بچھڑے کو معبود بنانے والوں پر اعتراض کیا ہے کہ انہوں نے جس چیز کو خدا بنایا ہے وہ تو صفت تکلم سے عاری ہے۔ گویا خداوند تعالےٰ نے اسکی ابطال الوہیت کے لئے اس کے ان سے نہ بولنے کو دلیل میں پیش کیا ہے۔ اب اگر خداوند کریم بھی نہ بولے تو پھر کیا وہی اعتراض جو وہاں کیا گیا ہے خود خداوند کریم کی ذات پر عائد نہیں ہوتا پس جبکہ ایک معمولی شریف آدمی بھی کسی پر وہ اعتراض نہیں کرتا جو اسکی ذات پر پڑتا ہو تو پھر خداوند کریم کیسے ایک ایسی بات پر اعتراض کر سکتا ہی جو خود خدا میں بھی پائی جاتی ہو لیکن دیکھئے خدا تعالےٰ تو فرماتا ہے۔ واذا سألک عبادی عنی فانی قریب ۭ اجیب دعوۃ الداع اذا دعان فلیستجیبوا لی ولیومنوا بی لعلہم یرشدون ۝ (۲-۱۸۲) کہ جب میرے بندے میرے متعلق سوال کریں تو جواب دو کہ میں قریب ہوں اور پکارنے والے کی پکار کا جواب دیتا ہوں بشرطیکہ وہ میرے احکام کا متبع ہو۔ اس آیت میں خدا تعالےٰ نے اپنے قرب کا یہ ثبوت دیا کہ پکارنے والے کا جواب دیتا ہوں +

پس اگر یہ مانا جائے کہ خدا کلام نہیں کرتا تو خود خدا میں نقص لازم آتا ہے اور وہ قوم جس سے خدا کلام نہ کرے وہ بھی مغضوب ٹھہرتی ہے۔ اسکے علاوہ بندوں کے مدارج بتلائے ہیں کہ وہ کس قسم کے لوگ ہوتے ہیں اور انکا کیا درجہ ہوتا ہی جن سے خداوند کریم کلام فرماتے ہیں فرمایا۔ انّ الذین قالوا ربنا اللّٰہ ثم استقاموا تتنزل علیہم الملٰئکۃ الا تخافوا ولا تحزنوا وابشروا بالجنۃ التی کنتم توعدون ۝ نحن اولیاء کم فی الحیٰوۃ الدنیا وفی الاخرۃ (۱۴-۳۰) جو لوگ کہتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہے اور وہ اپنا محسن صرف اللہ کو ہی قرار دیتے ہیں اور اس پر قائم بھی ہو جاتے ہیں ایکدو دن کے لئے نہیں بلکہ ہمیشہ کے لئے فیصلہ کر لیتے ہیں۔ اور پوری توجہ سے اقرار کرتے ہیں کہ ہمارا رب اللہ ہی ہے۔ اس اقرار کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ ان پر ملائکہ کا نزول ہوتا ہے۔ اور وہ نزول خاموشی سے نہیں ہوتا کہ پتہ بھی نہ لگے بلکہ ایسے وقت میں ہوتا ہے اور اس رنگ میں ہوتا ہے کہ ان پر خوف و غم طاری ہوتا ہے اور وہ ملائکہ آ کر بشارت دیتے ہیں کہ تم خوف مت کرو تم غم مت کھاؤ ہم تمہارے دوست ہیں دنیا و آخرت دونوں جگہ میں۔

اب سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو ملائکہ کا نزول اور انہی کا کلام ہے اسمیں خدا کا تو کوئی ذکر نہیں کہ وہ بھی کلام کرتا ہے ضرورت تو یہ ہے کہ خدا کلام کرے نہ کہ ملائکہ اسکا جواب خود اللہ تعالےٰ نے ہی فرمایا ہے کہ وما کان لبشر ان یکلمہ اللّٰہ الا وحیا او من وراءی حجاب او یرسل رسولاً فیوحی باذنہ ما یشاء انہ علیٌّ حکیم ۝ (۴۲-۵۰)

فرمایا کہ خدا کس طرح بندوں سے کلام کرتا ہے ؟ یا تو خود فرشتہ کو اپنی کلام کے ساتھ بھیج دیتا ہی جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر حضرت جبریل کلام لے کر آتے تھے جیسے فرمایا نزل بہ الروح الامین (۲۶-۱۹۳) اسکے پاس روح الامین کلام لاتا ہے۔

یہاں سے معلوم ہوا کہ خدا تعالےٰ کے کلام کرنے کے کئی طریق ہیں اور یہ بات بپایہ ثبوت پہنچ گئی ہے۔ کہ خداوند کریم کلام ضرور فرماتا ہے۔

اب پہلا اختلاف کہ کلام ہو سکتا ہے کہ نہیں۔ رفع ہو گیا کیونکہ قرآن کریم کی صریح آیات سے یہ بات ثابت ہو چکی کہ اللہ تعالےٰ اپنے بندوں سے کلام فرماتا ہے۔

دوسرا اختلاف احمدیوں اور غیر احمدیوں میں دوسرا اختلاف یہ ہے کہ امت محمدیہ کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کسی مصلح یا مومن اللہ اور رسول اللہ کی انتظار کرنی چاہئے یا نہیں ؟

قبل اسکے کہ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے دعویٰ کیا تمام لوگ منتظر تھے کہ ایک مسیح و مہدی آئے گا۔ اور تمام عالم اسلامی اس موعود کے لیے چشم براہ تھا۔ لیکن جس دن سے آپ نے دعویٰ کیا کہ میں وہ موعود ہوں جس کا آنا امت محمدیہ میں روز ازل سے مقدر کیا گیا تھا۔ اور جس کی تم لوگ راہ تک رہے تھے تو جن لوگوں نے قبول نہیں کرنا تھا انہوں نے انکار کر دیا اور کہدیا کہ ہمیں کسی مسیح و مہدی کی ضرورت ہی نہیں۔ اس انکار کی کیا ضرورت پیش آئی یہی کہ کسی طرح اس مرد خدا کو قبول نہ کرنا پڑے اور اس پر ایمان لانے سے بچ جائیں۔

یہی حال پہلی امتوں کا ہوا کہ جب کوئی موعود ان میں آتا تو وہ بہانہ اور عذرات تلاش کر کے اسکے قبول کرنے سے پہلو تہی کرتے رہے۔ طرفہ یہ ہی کہ وہی لوگ موعود کے آنے پر اسکے آنے سے منکر ہو جاتے ہیں۔ جنکی کتابوں میں اسکے آنے کی پیشگوئی ہوتی ہے چنانچہ یہود و نصاریٰ کی کتب میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم

کی پیشگوئی تہی مگر جب آپ آگئے تو انہی لوگوں نے کہدیا کہ ہم نہیں مانتے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور مشرکین میں تنازعہ ہوا کہ خداوند کریم کی طرف سے پہلے بھی نبی آتے رہے ہیں یا نہیں مشرکین نے یہود کو حکم بنایا اور کہا کہ ان سے فیصلہ کرالو۔ یہود نے کہدیا کہ ما انزل اللہ علی بشرٍ من شیئ خدا نے پہلے بھی کسی بندے پر کبھی اپنا کلام نازل نہیں کیا اب غور کرو۔ تورات اور دیگر صحف انبیاء میں تمام جگہ خدا کے کلام کر نیکا ذکر ہے مگر ایک راستباز کا انکار کرنے کے لئے انہوں نے یہی کہا کہ ابھی خدا نے پہلے بھی کبھی اپنا کلام کسی انسان پر نازل نہیں کیا۔ جب پہلے نہیں کیا تو اب کیوں کرنے لگا ہے۔

اسی طرح قرآن کریم میں آیا ہے انا بکل کافرون (قصص رکوع ۱۶) کہ ہم تو سب کے ہی منکر ہیں۔ یعنے جب ان پر اعتراض کیا جائے کہ تم پر تو پہلے بھی کلام نازل ہوا تہا۔ تم اب کیوں خدا کے کلام کا انکار کرتے ہو تو وہ کہتے ہیں کہ ابھی ہم اس تمہارے پر نازل ہونے والے کلام کا انکار نہیں کرتے بلکہ جسقدر تمہارے نزدیک پہلے کلام نازل ہوچکے ہیں ہم تو ان سب کا ہی انکار کرتے ہیں گویا انہوں نے نبی کریم صلعم کی عداوت اور انکار کی وجہ سے اپنی مانی ہوئی باتوں اور تسلیم کی ہوئی صداقتوں کا بھی انکار کر دیا۔

چونکہ یہ بات ہمیشہ سے ہوتی آئی ہے کہ جب کوئی موعود آتا ہے اور وہ ان روایات کو پورا کر نیوالا ہوتا ہے جو اس قوم میں پہلے سے چلی آتی ہیں تو وہی قوم اسکی قبولیت سے بچنے کے لئے کہدیا کرتی ہے کہ ہمیں کسی موعود کی انتظار نہیں۔

امت محمدیہ میں آنے والا موعود

اسمیں شک نہیں کہ امت محمدیہ کو ایک موعود کا وعدہ دیا گیا ہے اگر وہ نہ آئے تو کئی ایک خرابیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ اس بات کے ثبوت کے لئے کہ کوئی شخص امت محمدیہ میں آئے گا دو قسم کے دلائل ہیں۔

(۱) خاص دلائل جو خاص طور پر ایک شخص کی صداقت پر دلالت کرتے ہیں۔

(۲) عام دلائل جو بتاتے ہیں کہ کسی شخص کو آنا چاہئیے

اوّل دلائل عام میں سورہ فاتحہ ہے جسمیں یہ دعا سکہلائی گئی ہے اھدنا الصراط المستقیم صراط الذین انعمت علیہم کہ ہمیں صراط مستقیم دکہا۔ صراط مستقیم کیا ہے؟ ان لوگوں کی راہ جن پر حضور کے انعامات ہوئے ہیں وہ کیا انعام ہیں۔ ان کے متعلق خدا تعالیٰ فرماتا ہے فاولئک مع الذین انعم اللہ علیہم من النبیین والصدیقین والشہداء والصالحین۔ کہ وہ نبی ہیں صدیق ہیں۔ شہداء ہیں اور صالحین ہیں۔

اب جبکہ تین قسم کے لوگ امت محمدیہ میں شامل ہیں جنمیں صدیق شہداء اور صالح ہیں تو کیا وجہ ہے کہ قسم اول کے لوگ نہ ہوں یعنے چار وعدہ تھے ان میں سے تین جو بعد میں کئے انکو تو خدا تعالےٰ نے ایفا کیا مگر وہ جو پہلے کیا گیا اسکو کیوں نہ پورا کیا۔ کیا نعوذ باللہ خدا نے یہ جہوٹا وعدہ کیا ہے یا کیا خدا کے خزائن کم ہوگئے ہیں کہ جو پہلے دے چکا سو دے چکا اور آئندہ نہ دینے پر مجبور ہے حالانکہ خداوند کریم تو خود فرماتا ہے کہ وان من شیئ الا عندنا خزائنہ وما ننزلہ الا بقدرٍ معلوم کہ ہمارے پاس ہر ایک چیز کے خزائن ہیں اور ہم ان کو نازل نہیں کرتے مگر اندازہ اور ضرورت کے وقت اور وہ خزائن ختم نہیں ہو سکتے۔

پس جب خداوند کریم خود انعام حاصل کرنے کی دعا سکہلاتا ہے مگر ضرورت پڑے تو عطا نہیں کرتا۔ تو کیا وہ بندوں کو نعوذ باللہ دہوکہ میں ڈالتا ہے ہرگز نہیں وہ دہوکہ میں نہیں ڈالتا۔ بلکہ وہ سب قسم کے انعام دیتا ہے۔

اسکے علاوہ اللہ تعالےٰ نے سورہ نور میں مسلمانوں سے بایں الفاظ وعدہ فرمایا ہے کہ وعد اللہ الذین اٰمنوا منکم وعملوا الصلحٰت لیستخلفنہم فی الارض کما استخلف الذین من قبلہم ولیمکنن لہم دینہم الذی ارتضیٰ لہم ولیبدلنہم من بعد خوفہم امناً یعبدوننی لا یشرکون بی شیئاً ومن کفر بعد ذلک فاولئک ہم الفسقون (۲۴-۵) خدا کا مومنوں مسلمانوں سے وعدہ ہے کہ ان کو خلیفہ بنایا کریگا جس طرح اسنے ان سے پہلے خلیفہ بنائے۔

اس آیت میں مومنین سے وعدہ فرمایا کہ ان میں سے خلیفہ ہونگے۔ اس وعدہ کی تشریح بھی کر دی کہ ہم بنائینگے اور ان خلفاء کے یہ یہ نشانات ہونگے۔ سورہ فاتحہ میں یہ دعا سکہائی کہ انعام والوں کا طریق چاہو اور بتا دیا کہ جن پر ہمارے انعامات ہوا کرتے ہیں وہ نبی صدیق۔ شہید۔ صالح ہوتے ہیں۔ اور اس آیت میں مومنین کو خلافت کا وعدہ دیا پس اگر سورہ فاتحہ خدا نے بطور دعا نہ سکہلائی ہوتی بلکہ اسکی بجائے انسان خود ہی کوئی دعا تجویز کرتا۔ تو اس میں غلطی ہو سکتی تھی مگر یہ دعا چونکہ خدا کی طرف سے ہے اور خدا کا وعدہ ہے کہ جب ہم سے کچھ مانگا جاتا اور دعا کیجاتی ہے تو ہم دیتے اور دعا قبول کیا کرتے ہیں اسلئے ضرور ہے کہ دعا قبول ہو۔ پھر اپنی ہستی کے ثبوت کے لئے بھی خدا نے یہی رکہا۔ کہ ہم دعا قبول کرتے ہیں۔ پس اگر امت محمدیہ میں سے ایک کو بھی نبوت نہ ملے۔ جو کہ سب سے بڑا انعام ہے تو بتلاؤ کہ ہماری یہ دعا کیسے قبول ہوئی۔ اور کس نے قبول کی اور پھر یہ ہمیں تلقین ہی کیوں کی گئی۔ جبکہ اس کو قبول ہی نہیں کرنا تہا۔

ان تمام دلائل کے بیان کرنے کے بعد جن سے معلوم ہوتا ہے کہ کوئی نبی آنا چاہئیے خاص دلائل بیان کرتا ہوں سورہ ہود میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کو خدا تعالےٰ نے اس طرح پیش کرتا ہے افمن کان علیٰ بینۃٍ من ربہ ویتلوہ شاہدٌ منہ ومن قبلہ کتاب موسیٰ اماماً ورحمۃ اس نبی کی صداقت کے نشانات ایسے نہیں۔ جو اسکی زندگی تک ہی ہوں بلکہ اسکی صداقت کے نشانات اسکی وفات کے بعد بھی ظاہر ہونگے چنانچہ اسکے بعد اللہ کی طرف سے ایک شاہد آئیگا اور اسکی صداقت کی دنیا میں گواہی دیگا جیسا کہ اسکی بعثت سے پہلے آپ کی صداقت پر موسیٰ کی کتاب گواہی دیتی تھی۔

شاہد سے کیا مراد ہے

اب دیکھنا یہ ہے کہ شاہد سے مراد کیا ہے سورہ احقاف میں آتا ہے۔ قل ارءیتم ان کان من عند اللہ وکفرتم بہ وشہد شاہد من بنی اسرائیل علیٰ مثلہ فاٰمن واستکبرتم (۲۶-۹) فرمایا کہدے

کہ کیا تم نہیں دیکھتے کہ اگر یہ شخص خدا کی طرف سے ہوا، اور تم نے اسکا انکار کیا۔ حالانکہ بنی اسرائیل میں سے ایک نے اپنے مثیل کی گواہی دی اور وہ اس پر ایمان لایا اور تم نے تکبر کیا حضرت موسیٰ تو حضرت نبی کریم کے شاہد ہیں یہاں فرمایا کہ نبی کریم کے بعد اسکا ایک اور شاہد آئیگا یعنے جیسا کہ حضرت موسیٰ نے حضرت نبی کریم کی صداقت کی شہادت حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی بعثت سے قبل دی اسی طرح آپکی وفات کے بعد بھی آپکے لئے ایک شاہد ہو گا۔ اور وہ اللہ کی طرف سے ہوگا۔ لوگوں کی طرف سے نہ ہوگا۔ خدا اسکو مامور کریگا۔

اصل بات یہ ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف لانے سے شریعت کی تکمیل ہو گئی۔ چنانچہ آنحضرت نے فرمایا۔ کہ میں نے دین یعنی شریعت کی تکمیل کر دی اب احکام کی تکمیل کے لئے کسی کی ضرورت نہیں۔ ہاں اگر ضرورت ہے تو اس امر کی کہ جب اس عظیم الشان انسان کا انکار کیا جائے جس نے خدا کی طرف سے آکر مخلوق خدا کی اصلاح فرمائی تو ضروری ہے کہ کوئی شخص خدا کی طرف سے آئے اور اس انسان کی بریت کرے اور اس کے متعلق جس قدر غلط فہمیاں ہوں انکو دور کرے۔ اور اسکی صداقت مخلوق خدا کے سامنے پیش کرے۔

شاہد کے لئے ضروری باتیں

مگر گواہ کے لئے دو باتوں کی ضرورت ہوتی ہے۔ اوّل یہ کہ وہ جس بات کی گواہی دے اسکا شاہد ہو۔ دوسرے یہ کہ جن لوگوں کے سامنے گواہی دے وہ بھی اسکو مانتے ہوں یعنے اسکی گواہی لینا قبول کرتے ہوں۔

لیکن اگر ایسا نہیں یعنی تو گواہ اس واقعہ کا عینی شاہد ہو۔ اور نہ وہ لوگ جن کے سامنے اسنے گواہی دی ہے اسکو تسلیم کرتے ہوں تو کسی صورت سے اسکی گواہی تسلیم نہیں کیجا سکتی۔

اب ان دونوں باتوں کے اظہار کے لئے خداوند کریم نے دو طریق اختیار فرمائے ہیں۔

اوّل یہ کہ تمام قوموں کو ایک آنے والے شخص کا منتظر بنایا۔ اور کہا کہ ایک شخص آئے گا اور آکر سچے مذہب کے متعلق گواہی دیگا اس طرح تمام قومیں اس گواہ کی گواہی کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہو گئیں کیونکہ سب کی سب اس بات کی منتظر ہیں کہ وہ آئے اور آکر گواہی دے۔ عیسائی حضرت عیسیٰ کی آمد کے منتظر ہیں ہندو حضرت کرشن یا بلفظ دیگر نہکلنک اوتار کی آمد کے منتظر ہیں۔ غرض ہر ایک قوم اپنے اپنے طور پر ایک شخص کے آنیکے منتظر ہیں۔

آنے والا مصلح ایک ہی ہونا چاہیئے

اب غور طلب بات یہ ہے کہ آنیوالا یا تو ایک ہوگا۔ یا سب مذاہب میں ایک ایک شخص آئیگا مذاہب کی موجودہ صورت تو یہ ہے کہ ہر ایک بات میں اختلاف کیا جا رہا ہے ایک سے دوسرے کی نہیں بنتی۔ ضرورت یہ ہے کہ موجودہ اختلاف کو دور کیا جائے لیکن اگر سب مذاہب میں الگ الگ موعود آئیں۔ تو اختلاف دور نہیں ہو گا۔ بلکہ اور زیادہ بڑھے گا۔ پھر موجودہ مذاہب میں سخت اختلاف ہے اسلئے سب کے سب تو حق نہیں ہو سکتے اسلئے لامحالہ ماننا پڑیگا کہ موجودہ مذاہب میں سے صرف ایک مذہب ہی خدا کی طرف سے ہوگا۔ پس چونکہ ہر ایک مذہب کا باوجود سخت اختلاف کے خدا کی طرف سے ہونا قطعاً ناممکن ہے اسلئے ہر ایک مذہب کا موعود جدا جدا شخص ہوں تو وہ اپنے اپنے مذہب ہی کی تائید کرینگے جس سے اختلاف اور بڑھیگا اور زیادہ مضبوط ہو جائیگا اور وہ غرض فوت ہو جاویگی جو مصلح کے آنیکی رکھی گئی ہے۔

لیکن خدا تعالےٰ نے ان اختلافات مذہبیہ کو دور کرنیکے لئے ہر ایک قوم کو ایک شخص کا منتظر کیا۔ اور اس صورت میں کبھی اختلاف دور ہو نہیں سکتے کہ سب قوموں میں الگ الگ موعود ان مذاہب کی صداقت ثابت کرنیکے لئے آئیں اسکے لئے خدا تعالیٰ کو منظور یہ تھا کہ جو در حقیقت اسوقت سچا مذہب ہو اُسی کی تصدیق کرائے اور اسی میں وہ موعود بھیجے اب اگرچہ تمام لوگ اسکے منتظر تھے مگر اس نے ایک مذہب میں سے ایک ہی شخص کو بھیجا۔ اور اسکے وہی مختلف نام رکھدیئے جن ناموں سے لوگ اس موعود کے منتظر تھے اور اس طرح سب کے دلوں میں اسکی محبت پیدا کر دی اور اسکی صداقت کو زور آور حملوں سے ثابت کیا اسنے کہا کہ میں خدا کی طرف سے سب اختلافوں کے دور کرنیکے لئے حکم ہو کر آیا ہوں۔ سب مذاہب اس کے سامنے پیش ہوئے اسنے گواہی دی کہ صرف اسلام ہی اس وقت ایک سچا مذہب ہے۔

غیر مذاہب کی ابتدا درست اور وہ ابتدا میں خدا کی طرف سے تھے مگر چلتے چلتے اب آکر انکی صورت بالکل مسخ ہو گئی اور وہ بگڑ گئے۔

یوں تو سب مذاہب خدا کی طرف سے تھے۔ سب میں خدا کے رسول آئے ہندوؤں میں کرشن عیسائیوں موسائیوں میں عیسےٰ موسیٰ علیہم السلام آئے۔ مگر اب صرف اسلام ہی سچا اور تمام صداقتوں کا مجموعہ ہے۔

غرض وہ ایک موعود آیا اور مختلف ناموں اور قہری نشانوں کے ساتھ آیا اسنے گواہی دی کہ اسلام سچا مذہب اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خدا کے برحق رسول ہیں

احادیث میں مسیح موعودؑ کے آنے کا ذکر

پھر قرآن کریم کے علاوہ احادیث میں مسیح موعود کے آنے کی پیشگوئی ہے اور یہ حدیث سب قسم کی کتب میں ہے اور اس کثرت سے ہے کہ قریباً شہرت اور تواتر تک پہنچی ہوئی ہے کہ ایک مسیح نبی اللہ آئیگا۔ اسکا نام حکماً عدلاً رکھا گیا یعنے انصاف کرنے والا اور عدل سے کام لینے والا۔ اس قسم کے انسان کی اسوقت ضرورت ہوا کرتی ہے جب اختلاف ہو۔ لیکن جب اختلاف نہ ہو تو منصف اور حکم کی ضرورت نہیں پڑتی۔ غرض دوسرا اختلاف کہ ہم نبی کریم کے بعد کسی آنے والیکا انتظار کریں۔ یا نہ کریں قرآن و احادیث سے ثابت ہو گیا کہ ہم ضرور ایک شخص کے منتظر رہیں۔

تیسرا اختلاف

یہ ہے کہ اگر آنے والا آگیا ہے تو اس کو کن نشانات سے شناخت کیا جائے۔ اور وہ اس امت سے ہو گا یا کہیں باہر سے آسمان سے آئیگا۔ یا زمین پر ہی پیدا ہو گا۔ جو لوگ

جو لوگ مسیح کی آمد کے منتظر ہیں ان کا تو یہ قول ہے کہ مسیح اس امت سے نہیں آئیگا بلکہ بنی اسرائیل سے آئیگا اور وہ مسیح جو موسیٰ کا خلیفہ تہا اور رسولاً الیٰ بنی اسرائیل ہوکر آیا تہا۔ امت محمدیہ کی اصلاح کے لئے آئیگا اور اسی غرض کے لئے خدا نے اسکو اسقدر عرصہ زندہ رکہا ہے

اس قسم کے اعتقاد والوں کے لئے جو کہتے ہیں۔ کہ مسیح آئیگا مگر وہ وہی مسیح ہوگا جو آج سے ۱۹ سو برس قبل ہو چکا ہے ہمیں وفات مسیح کا مسئلہ بیان کرنا پڑتا ہے

وفات مسیح

مسیح کی وفات کا ثابت کرنا اس لئے بھی ضروری ہے کہ مسیح کی زندگی کے باعث عیسائیت کو کچھ مدد مل سکتی ہے لیکن جب وفات مسیح پیش کیجائے تو ان کی کچھ پیش نہیں جاتی۔ اور عیسائیت کو مغلوب کرنے اور اسلام کو ابھارنے کے لئے اس کے بڑا حربہ کوئی نہیں۔ پس اسلام کی زندگی مسیح کی موت پر موقوف تہی اسلئے ضروری ہوا کہ مسیح کی موت ثابت کی جائے۔

مسیح کی وفات کا مسئلہ احمدیوں کو خدا کے فضل سے خوب روشن ہے اسپر مجھ کو کچھ کہنے کی ضرورت نہ تھی اور نہ اسکو غیر احمدیوں کے سامنے یہ دلائل پیش کرنے کی چنداں ضرورت ہے کیونکہ اب تو ان کے مولوی بھی اس مسئلہ میں بحث کرنے سے بچتے ہیں۔ اس کا باعث یہ نہیں کہ وہ وفات مسیح کے قائل ہو گئے ہیں اور اسلئے بحث نہیں کرتے بلکہ ان کی طاقت نہیں کہ اس مسئلہ میں احمدیوں کے مقابلہ پر ٹھہر سکیں اسلئے وہ اپنے عجز کے باعث اس سے گریز کرتے ہیں۔ بارہا ایسا ہوا ہے کہ وہ مسیح کی وفات پر بحث سے بچنے کے لئے صداقت مسیح موعود پر بحث کرنا چاہتے ہیں جب ان کو صداقت کے دلائل دیئے جاتے ہیں اور ان کے انکار کرنے کی کوئی صورت نہیں دیکھتے کہدیا کرتے ہیں کہ چلو مرزا صاحب کچھ ہی سہی پر مسیح تو آئیگا کیونکہ وہ آسمان پر زندہ بیٹھا ہے۔ اسواسطے ہمیں ہمیشہ اس امر کی ضرورت ہے کہ وفات مسیح کے مسئلہ کو بیان کریں۔

حیات مسیح کا عقیدہ

مسیح کی حیات کا عقیدہ غیر احمدیوں کے قلوب میں ایسا راسخ ہو چکا ہے کہ باوجود اسکے کہ دلائل سے اسکا بطلان ثابت کیا جاتا ہے پھر بھی اسے نہیں چھوڑتے۔ اسکی مثال ایسی ہی ہے جیسا کہ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں منافقین نے ایک مسجد تیار کی کہ وہ اپنی جماعت کو الگ کریں۔ اور جب وہ مسجد تیار ہوگئی تو منافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے درخواست کی کہ حضور آپ اس مسجد میں نماز پڑھائیں تا اسکا افتتاح ہو جائے مگر اس سے ان کی غرض یہ تھی کہ جب ایکدفعہ آنحضرت تشریف لے آئینگے تو کوئی شخص اسپر معترض نہ ہوگا۔ آنحضرت غزوہ تبوک میں تھے کہ خدا نے آپکو وحی کی کہ آپ اس مسجد میں نماز نہ پڑھیں جب حضور مدینہ میں تشریف لائے تو وہ مسجد گرا دیگئی۔

اگرچہ اس مسجد کو گرا دیا گیا مگر ان کے دلوں میں وہ بات ایسی بیٹھ چکی تھی کہ جس کا نکلنا مشکل تہا اسلئے ان کو ہمیشہ اسلام پر شک رہا اسی طرح مسیح کی حیات کا عقیدہ اگرچہ دلائل کے ساتھ اکھیڑ دیا گیا ہے پھر بھی انکے دلوں سے نہیں جاتا۔

ایسے لوگوں کے متعلق دوسری مثال قرآن کریم میں یہ دیگئی ہے فرمایا کہ موسیٰ کی قوم نے موسیٰ کے بعد بچھڑے کی پرستش اختیار کر لی موسیٰ علیہ السلام جب واپس آئے تو بچھڑے کو جلا کر راکھ کر دیا۔ مگر ان کے دلوں سے بچھڑے کی محبت نہ گئی۔ اشربوا فی قلوبهم العجل۔ ان کے دلوں میں بچھڑا پلا دیا گیا۔ پس حیات مسیح کا عقیدہ ان لوگوں کے دلوں میں پلایا ہوا ہے مگر وہ جو سعید روحیں ہیں اور جو تحقیق سے فائدہ اٹھاتی ہیں ان کے فائدہ کی غرض سے وفات مسیح کے متعلق بھی کچھ عرض کرتا ہوں۔

حضرت مسیح کی دو حیثیتیں

مسیح کی دو حیثیتیں ہیں ایک تو وہ خدا کے رسول ہیں اور یہ قرآن کریم کے مطابق ہے (۲) دوسرے معبود اور اللہ ہونے کی حیثیت ہے اور یہ مذہب عیسائیوں کا ہے ان دونوں حیثیتوں کے متعلق قرآن پاک میں ذکر ہے اور دونوں حیثیتوں کے لحاظ سے انکی وفات ثابت کیجاتی۔

اول یہ کہ وہ رسول ہیں قرآن کریم میں آیا ہے ما محمد (۱) الا رسول قد خلت من قبله الرسل۔ افان مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم (پارہ ۴ سورہ عمران رکوع ۱۵) کہ محمد اللہ کے رسول ہیں۔ آپ سے پہلے جتنے رسول ہوئے سب نہیں رہے۔ اب ہر ایک شخص غور کر سکتا ہے کہ مسیح رسول ہے یا نہیں اور وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ہوئے ہیں یا بعد جائے اور غیر احمدیوں کے درمیان اس میں تو کوئی اختلاف نہیں ہے کہ حضرت مسیح رسول تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے رسول تھے پس جب وہ رسول ہی تھے اور پہلے رسول۔ تو جب خداوند کریم فرماتا ہے کہ وہ رسول جو آنحضرت سے پہلے ہوئے ان میں سے کوئی بھی نہیں رہا تو ثابت ہوگیا کہ حضرت مسیح بھی نہیں ہے بلکہ فوت ہو گئے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ ہم مانتے ہیں کہ حضرت مسیح زمین پر نہیں بلکہ آسمان پر چلے گئے ہیں۔ اسکے متعلق خدا تعالےٰ نے اسی آیت میں آنحضرت صلعم کی نسبت یہ کہکر افان مات او قتل۔ کہ اگر یہ طبعی موت سے مرجائے۔ یا قتل کر دیا جائے بتا دیا کہ آپکے پہلے نبیوں کا نہ رہنا اس طرح کا تہا۔ یا تو وہ مرجاتے تھے یا مارے جاتے تھے اب جس طرح پہلے نبی گزرے ہیں۔ اسی طرح حضرت مسیح بھی گزرے ہونگے۔ پہلے رسل کا گزرنا موت سے ہے یا قتل سے۔ لیکن اگر کوئی رسول آسمان پر بھی گیا ہوتا اور سوائے موت اور قتل کے کوئی اور حالت بھی اسپر وارد ہوتی تو اس آیت میں اسکا ذکر کرنا بھی ضروری تہا۔ یعنے اس طرح ہوتا کہ او رفع الی السماء او کذا او کذا یا مسیح کو مستثنےٰ ہی کیا ہوتا یعنے الا عیسیٰ ہی کہا جاتا۔ لیکن کچھ بھی نہیں اسلئے کس طرح مسیح ع زندہ رہ سکتے ہیں۔ تو حضرت مسیح کی حیثیت قرآن کریم سے ایک رسول کی معلوم ہوتی ہے۔ جیسا کہ انکی نسبت آیا ہے رسولا الیٰ بنی اسرائیل۔ اور خود مسیح ع کا قول ہے انی رسول اللہ الیکم (پ ۲۸ ع صف)

پس اگر کوئی کہے کہ مسیح سے پہلے نبی بیشک قد خلت کے ماتحت فوت ہو گئے ہیں مگر مسیح اسمیں شامل نہیں تو اس کا جواب یہ ہے کہ جب ان سے پہلے سب رسول اسمیں شامل ہو گئے ہیں تو آپ کیسے الگ رہ سکتے ہیں۔

خدا تعالےٰ نے قد خلت کی تشریح خود کردی ہے کہ طبعی موت سے مرنا یا قتل ہونا۔ لیکن حضرت مسیح کے متعلق تو اللہ تعالےٰ نے تصریح فرما دیا ہے کہ ما قتلوہ مسیح قتل تو نہیں ہوا۔ یعنی قد خلت کے ماتحت جو موت کی دو صورتیں بیان کی گئی تھیں ان میں سے حضرت مسیح کے متعلق ایک کی تو نفی کردی جب ایک کی نفی ہوگئی تو دوسری ثابت ہوگئی فہو المراد۔

اگر کوئی غور کرے تو یہ بات بالکل صاف ہے کہ ہمیشہ قریبی بات یاد رہا کرتی ہے اور دیر کی بات بھول جاتی ہے رسولوں میں سب سے قریب رسول آنحضرت صلعم ہیں اور آپکے حالات ہمیں معلوم ہیں اسلئے ہم آپ پر ہی دوسرے انبیاء کو قیاس کرکے معلوم کرسکتے ہیں کہ وہ اس قسم کے ہوتے تھے اور اس قسم کے حالات ان کو پیش آئے ہیں۔ چنانچہ مفسرین اس آیت کے ماتحت لکھتے ہیں کہ دیکھو انکما خلوا بالموت او القتل۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم وفات پائینگے اور اس جہان سے جاینگے جس طرح اور نبی قتل یا موت کے ذریعہ چلے گئے پس یہ آیت بتاتی ہے کہ نبی کی دو طرح وفات ہوسکتی ہے اب ہم دیکھتے ہیں کہ اس میں حضرت مسیح آنحضرت صلعم کے بحیثیت زمانی زیادہ قریب ہیں لیکن اگر حضرت عیسےٰ ع کی ہی وفات نہیں ہوئی تو اور کسی رسول کی تو کیا ہوگی اس طرح سے یہ ایک ایسی مثال ہوجائیگی کہ جیسے کہا جائے کہ بٹالہ کے سٹیشن سے امرتسر کی طرف جتنے سٹیشن تھے وہ سب موقوف ہوگئے لیکن کوئی اگر اسکی تحقیقات کرے تو سب سے پہلا سٹیشن جو بٹالہ سے امرتسر کو جاتے ہوئے آتا ہے جنتی پورہ ہے اگر وہی موقوف نہ ہوا تو اسکے بعد کے سٹیشنوں کے متعلق اس خبر کا کون اعتبار کرسکتا ہے۔

پس حضرت مسیح علیہ السلام نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے سب سے قریبی نبی ہیں اور اگر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قبل کی طرف جائیں تو سب سے پہلے مسیح آتے ہیں۔ اگر وہی زندہ ہوں تو ہم دوسروں کو مردہ نہیں کہہ سکتے۔

دوسری حیثیت

حضرت مسیح کی دوسری حیثیت معبود ہونے کی ہے۔ لیکن اللہ تعالےٰ نے قاعدہ کلیہ کے طور پر فرماتا ہے والذین یدعون من دون اللّٰہ لا یخلقون شیئًا وھم یخلقون اموات غیر احیاءٍ وما یشعرون ایان یبعثون (۱۶-۳۰) کہ جن کو اللہ تعالےٰ کے سوا پکارتے ہیں انہوں نے کسی چیز کو پیدا نہیں کیا بلکہ وہ خود پیدا کئے گئے ہیں قرآن شریف کے نزول کے وقت جس قدر ہستیوں کو خدا کے سوا معبود بنایا ہوا تھا۔ ان کی ابطال الوہیت کے لئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں پہلی بات یہ فرماتا ہے کہ وہ خالق نہیں بلکہ سب کے سب مخلوق ہیں۔ تو جو ہستی اپنے وجود میں کسی دوسرے کی محتاج ہو وہ کب اسکی اہل ہو کہ اسکو معبود بنا لیا جائے یہی بات حضرت مسیح میں پائی جاتی ہے اسلئے وہ بھی معبود نہیں ہوسکتے۔

دوسری وجہ ان کے معبود نہ ہونے کی یہ فرمائی کہ امواتٌ وہ مرے ہوئے ہیں۔ اموات کا لفظ جس جگہ آتا ہے وہاں بالفعل مردہ پر آتا ہے جو کہ اسوقت مرچکا ہو۔ تاج العروس میں یہ فرق بتایا گیا ہے میت مرچکا۔ اور میّت جس پر موت آتی ہو۔

پس اموات کے معنے ہوئے جو اسوقت مرچکے تھے یہ نہیں کہ ۱۹۰۰ برس تک زندہ بھی رہے اور پھر اس پر میت کا لفظ بھی بولا جائے۔ پھر فرمایا غیر احیاء وہ زندہ نہیں انکی موت کے لئے کوئی انتظار نہیں ہے۔ وہ ایسے اموات ہیں کہ انمیں کوئی شعبہ حیات نہیں پایا جاتا۔

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ یہ بتوں کے متعلق ہے لیکن یہ غلط ہے اسلئے کہ مردہ اسی کو کہا جاتا ہے جس میں زندگی کی شان پائی جاسکتی ہو۔ پتھروں میں زندگی نہیں پائی جاتی اسلئے ان کو مردہ نہیں کہا جاسکتا۔

پھر اس خیال کی تردید خود قرآن مجید ہی میں کردی ہے کہ ماسوا اللہ معبودوں سے مراد اسجگہ بت نہیں فرمایا وما یشعرون ایان یبعثون وہ مردہ ہیں اور ان کو یہ بھی خبر نہیں کہ کب زندہ کئے جاینگے اس سے معلوم ہوگیا کہ یہ آیت ان ہی کے متعلق ہے جن کو زندہ کیا جائیگا اور پتھروں کے متعلق نہیں ہوسکتی کیونکہ ان کو کبھی زندہ نہیں کیا جائے گا۔ بلکہ جو پتھر معبود بنائے گئے ہیں وہ پتھر ہونے کی حالت میں ہی جہنم میں ڈالے جائینگے جیسے کہ فرمایا۔ وقودھا الناس والحجارۃ۔ پس جو پہلے زندہ تھے اور بعد میں انپر موت آئی وہی اس آیت کے مصداق ہیں۔

غرض اس آیت سے اس طرح حضرت مسیح علیہ السلام کی وفات ثابت ہوتی ہے کہ آج دنیا کا بیشتر حصہ حضرت مسیح کو خدا مانتا ہے پس اگر مسیح کو ہی زندہ چھوڑ دیا اور انکو زندہ تسلیم کرلیا جائے تو اس بات کی کیا ضمانت ہے کہ دوسرے جھوٹے معبود فوت ہوچکے ہیں۔ غرض دوسرے جھوٹے معبودوں کی معبودیت کو جھٹلانے کے لئے حضرت مسیح کا مردہ ماننا نہایت ضروری ہے۔ یہ دو دلیلیں ہیں جن سے حضرت مسیح کی وفات ثابت ہوتی ہے یعنے اگر وہ خدا کے رسول ہیں تب ضرور وفات پاچکے ہیں اور اگر انکو خدا کے سوا معبود بنایا گیا ہے جیسا کہ فی الواقعہ انکو معبود بنایا گیا ہے تب بھی وہ فوت ہوچکے ہیں۔

اگرچہ ان آیات نے قاعدہ کلیہ کے طور پر حضرت مسیح کی وفات کو ثابت کردیا ہے مگر شاید کوئی کہے کہ حضرت مسیح کو الگ رکھ لیا ہو۔ پس جب تک ان کے نام سے انکی وفات نہ ثابت کی جائے تب تک اطمینان کلی حاصل نہیں ہوتا۔

اگر لوگ مسیح کو وفات شدہ بحیثیت رسول ہونے کی نہ مانیں جیسا کہ وہ فی الواقعہ فوت ہوچکا ہے۔ اور اگر اسکو بحیثیت مزعوم معبود ہونیکے فوت شدہ نہ مانیں جو قرآن کریم سے ثابت ہے تو اب ہم حضرت مسیح کا اپنا اقرار دکھاتے ہیں کہ وہ خود کہتے ہیں کہ میری وفات ہوچکی ہے آپ لوگ مجھے کیوں نہیں چھوڑتے میں تو فوت ہوچکا

تیسری دلیل حضرت مسیح کی وفات پر

ساتویں پارے کے چھٹے رکوع میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے اور وہ رکوع اسطرح شروع ہوتا ہے واذ قال اللہ یا عیسےٰ ابن مریم ءانت قلت للناس الخ

اس رکوع میں حضرت عیسےٰ سے اللہ تعالےٰ نے سوال

تو صرف یہ کیا ہے کہ کیا تو نے لوگوں کو اپنے اور اپنی ماں کو معبود بنانے کی تعلیم دی تھی۔ مگر آپ اس سوال کا جواب دیتے ہوئے گھبراہٹ میں اپنی موت کا بھی اقرار کر لیتے ہیں۔

لوگوں سے تو اس امر کے سوال ہونگے کہ کیا تم نے اچھے عمل کئے یا برے مگر رسولوں سے اس امر کے سوال نہیں ہونگے۔ بلکہ ان سے اس قسم کے سوال پوچھے جائینگے کہ تمنے اپنی امت کو کیا تعلیم دی ہے؟

حضرت مسیح اس سوال کا جواب دینے سے پہلے عرض کرتے ہیں قال سبحانک اللہ تو پاک ہے دیکھو موقعہ کے مطابق چاہئے تو یہ تھا کہ حضرت مسیح کہتے کہ خداوندا میں اس غلطی سے پاک ہوں مگر کہتے ہیں کہ اللہ تو پاک ہے یہ ادب ہے۔

اس آیت کا پہلا استدلال

پھر کہتے ہیں یہ مجھ سے کب ہو سکتا تھا کہ میں وہ بات کہوں جس کا مجھکو حق نہیں یعنے لوگوں کو اپنی عبادت کی طرف بلاتا ان کنت قلتہ فقد علمتہ نہایت عاجزی میں عرض کرتے ہیں کہ اگر مینے کہا ہے تو آپ ہی جانتے ہیں۔ ہاں مینے کچھ ان لوگوں کو کہا بھی ہے مگر وہ کیا ہے یہی کہ جو کچھ حضور کا حکم ہوتا تھا۔ وہی انکو تعلیم دیتا تھا۔ اور وہ یہ حکم تھا۔ کہ تم اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ اسمیں میری اپنی ذات کب مراد ہو سکتی تھی۔ جبکہ میں ایک ایسے معبود کی عبادت کے لئے کہتا تھا۔ جو میرا بھی رب تھا۔ اور انکا بھی اس سے وہ میرے وجود کو کیسے معبود سمجھ سکتے تھے۔

سوال یہ ہے کہ تمنے یہ بات کہی تھی عام قاعدہ کے مطابق چاہئے تھا کہ وہ کہدیتے کہ مینے تو نہیں کہا مگر اس قول کے متعلق تو صد ہی کر دی۔ پھر اسی پر مسیح نے بس نہیں کی۔ بلکہ یہ بھی کہتے ہیں۔ کہ وکنت علیہم شہیداً مادمت فیہم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم ط وانت علی کل شیء شہید۔

سوال ہو سکتا تھا کہ مانا تمنے نہیں کہا مگر تمنے انکو دیکھا تو ہوگا اور رد کا نہ ہوگا۔ حضرت مسیح فرماتے ہیں۔ کنت علیہم شہیداً مادمت فیہم۔ میں ان کا نگران حال رہا جبتک ان میں تھا۔ لیکن جب حضور نے مجھکو موت دیدی تو پھر میری نگرانی اٹھ گئی۔ پھر آپ ہی ان کے نگران حال تھے اور آپ ہی ہر چیز کے نگران ہیں۔

اسمیں حضرت مسیح خود اقرار کرتے ہیں کہ میں فوت ہو گیا میں مر گیا تو اب کسکو حق ہے کہ ان کو وفات شدہ نہ مانے۔

اب خیال ہو سکتا تھا کہ ممکن ہے حضرت مسیح فوت نہ ہوئے ہوں۔ بلکہ کسی اور ذریعہ سے الگ کئے گئے ہوں۔ مگر حضرت مسیح فرماتے ہیں کہ میں قوم کے اندر تھا۔ اور ان کی ہر ایک نیکی و بدی کو دیکھتا تھا۔ جو وہ میرے سامنے کرتے تھے پھر مجھے ان سے جدا کیا گیا۔ اور کسی چیز نے مجھکو اپنی قوم سے علیحدہ نہیں کیا۔ بجز خدا کی طرف سے آئی ہوئی موت کے۔

اس سے ثابت ہو گیا کہ حضرت مسیح کو قوم سے آسمان پر اٹھانے کے ذریعہ علیحدہ نہیں کیا گیا۔ بلکہ موت کے ذریعہ الگ کیا گیا ہے۔ کیونکہ اگر حضرت مسیح آسمان پر گئے ہوتے تو انہیں تو یہ جواب دینا چاہئے تھا۔ کہ اے خدا جب تو نے مجھکو آسمان پر اٹھا لیا تو اسکے بعد کا مجھکو علم نہیں ہاں میرے سامنے نہیں بگڑے تھے۔ لیکن حضرت مسیح اس طرح نہیں کہتے۔ بلکہ یوں کہتے ہیں کہ موت کے آنے تک میں ان سے علیحدہ نہیں ہوا تھا۔ مگر موت نے آکر علیحدہ کر دیا۔

دوسرا استدلال

دوسرے اسطرح بھی ثابت ہوتا ہے اول آیا ہے کنت علیہم شہیداً مادمت فیہم اور پھر لکھا توفیتنی ان دونوں کے درمیان حرف حرف فا ہے اور یہ حرف ترتیب مع التعقیب کے لئے مقرر کیا جاتا ہے جس کا یہ مطلب ہے کہ پہلے اور دوسرے واقعہ کے درمیان اور کوئی واقعہ نہیں ہوا۔ بلکہ پہلے کے بعد معاً دوسرا واقعہ ہوا ہے۔

پس اس ترتیب کے لحاظ سے یوں ہے کہ پہلے حضرت مسیح قوم میں تھے اور پھر انکی وفات ہوئی۔ ان دونوں واقعات کے درمیان حرف فا ہے۔ جو ایک واقعہ کے بعد دوسرے کے معاً ہونے کی خبر دیتا ہے۔ اور یہ اس بات کی اجازت نہیں دیتا کہ مسیح ۱۹ سو برس آسمان پر بھی رہے اور فا بھی ہو۔ پس یہ فا مسیح کے قوم کے رہنے کے زمانہ کو ختم ہی اسوقت ہونے دیتا ہے۔ جس وقت مسیح فوت ہو جاتے ہیں۔

پس اس فا نے فیصلہ کر دیا کہ مسیح آسمان پر نہیں گئے نہ ابتک زندہ ہیں۔ اور نہ یہ کہ مسیح آسمان سے آکر فوت ہونگے۔ تب ان سے سوال جواب ہونگے۔ غرض اس فا نے قطعاً فیصلہ کر دیا ہے۔

تیسرا استدلال

تیسری صورت یہ ہے۔ کہ مسیح اپنی بریت کر رہے ہیں۔ اور خدا کے حضور جواب دیتے ہوئے کہتے ہیں کہ مینے انکو یہی تعلیم دی تھی کہ خدا کی عبادت کرو۔ جو میرا اور تمہارا رب ہے اور یہ کہ مجھکو اپنے امت کے بگڑنے کی خبر نہیں کیونکہ لوگ وہ میری زندگی میں نہیں بگڑے۔ بلکہ اسوقت آپ ہی کی عبادت کرتے تھے۔ اگر کوئی کہے کہ مسیح دوبارہ آئینگے اور پھر فوت ہونگے۔ تو یہ غلط ہے کیونکہ مسیح تو اپنے سامنے ان کے درست ہونیکا ذکر کر رہے ہیں لیکن جب آئینگے تو کہا جاتا ہے کہ وہ مسیحی مذہب کے خلاف جنگ و جہاد کرینگے۔ پس جب انکی کوشش تمام تر مسیحی مذہب کے خلاف ہی ہو گی تو ان کو کسطرح اپنی امت کے بگڑنے کا پتہ نہ لگیگا اور وہ یہ کیسے کہہ سکینگے کہ میری امت کے عقائد میرے سامنے تو درست تھے اور مینے اسکو اپنی زندگی میں بگڑا ہوا نہیں دیکھا

ایک حدیث سے وفات مسیح کا ثبوت

یہ تین وجہیں ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح علیہ السلام کی وفات ہو گئی ان تین دلیلوں کو اور مضبوط کرنے کے لئے میں ایک حدیث پیش کرتا ہوں۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ قیامت کا دن ہوگا اور میں حوض کوثر پر ہونگا۔ میری امت کے لوگ آئینگے اور سیراب ہونگے۔ اتنے میں ایک چھوٹی سی جماعت ہوگی۔ اسکو فرشتہ الگ لے جائینگے۔ جس طرح ایک ریوڑ سے چند جانور علیحدہ کر لئے جاتے ہیں۔ میں کہونگا۔ اصیحابی۔ اصیحابی

یہ تو میرے ساتھیوں کی جماعت ہے۔ یہ تو میرے ساتھیوں کی جماعت ہے فرشتے کہینگے انک لا تدری ما احدثوا بعدک انہم لم یزالوا مرتدین علیٰ اعقابھم کہ تو نہیں جانتا کہ انہوں نے تیرے بعد کیا کیا تیرے بعد یہ ایڑیوں کے بل واپس ہو گئے اور اسلام کو چھوڑ دیا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں۔ اقول کما قال عبد الصالح عیسیٰ ابن مریم ۔ کہ میں اسوقت اسی طرح کہونگا جس طرح کہا ایک صالح بندے عیسیٰ ابن مریم نے کہ میں انکا نگران حال تہا جب تک کہ میں انمیں تہا اور جب تونے مجھکو وفات دیدی تو تو ہی ان کا نگہبان تہا۔

نبی کریم صلعم نے اس آیت کو اپنے اوپر چسپاں فرماکر بتادیا کہ میری امت بھی میری موت کے بعد بگڑ جائے گی جس طرح حضرت مسیح کی امت بگڑگئی۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ نبی کریم آسمان پر اٹھائے گئے ہیں۔ یا فوت ہوئے ہیں ہر ایک شخص جانتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فوت ہوئے اور موت کے ذریعہ اپنی امت سے علیحدہ ہوئے ہیں اور کوئی مہلت انکے درمیان واقع نہیں ہوئی کہ آپ قوم سے علیحدہ کئے گئے ہوں اور آپکو موت بھی نہ آئی ہو۔ غرض فوت ہونے اور قوم سے علیحدہ ہونے کے درمیان اور کوئی واقعہ نہیں ہے قاعدہ ہے کہ معلوم سے مجہول کو معلوم کرتے ہیں . . . .

. . اب حضرت مسیح علیہ السلام کے یہ الفاظ ہمارے پاس موجود ہیں کہ وکنت علیہم شہیداً ما دمت فیہم فلما توفیتنی کنت انت الرقیب علیہم۔ اور ہمارے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات بھی ثابت ہے کیونکہ سب انسان مومن و کافر مانتے ہیں کہ آپ فوت ہوگئے اور آپ مسیح کے ان الفاظ کو اپنے اوپر چسپاں کرتے ہیں۔ اس سے ہمیں حضرت مسیح کا معاملہ بھی معلوم ہو گیا۔

ہم جانتے ہیں کہ جو کچھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اوپر لگائیں درست اور صحیح ہے دیکھو قرآن میں بار بار نماز کا حکم ہے اور آنحضرت نے نماز پڑھکر بتادی اس سے ہم جان گئے۔ کہ نماز اس طرح پڑھنا چاہئے

اور یہی اس آیات کا منشاء ہے۔ جنمیں نماز کا حکم ہے

مردہ زندہ ہوکر اس دنیا میں نہیں آسکتا۔

ہمارا انکا اختلاف تہا کہ آنیوالا تو ہے۔ مگر کس امت سے ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ وہ اس امت سے ہی ہے اور وہ کہتے ہیں باہر سے آئیگا وہ جس کا نام لیتے ہیں وہ تو فوت ہو چکا ہے اور ہمنے اس کے اپنے منہ سے اقرار کرا دیا ہے کہ وہ فوت ہو گیا ہے اب اسکے آنے سے تو مایوس ہو جانا چاہئیے۔

بعض کہدیا کرتے ہیں کہ وہ فوت تو ہو گیا مگر خدا اپنی قدرت نمائی سے مسیح کو زندہ کریگا اور دنیا میں لائے گا اس کا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ کیا کسی اتفاق سے ایک مسیح خدا سے بنگیا تہا۔ اور کوئی ایسا انسان نہیں بن سکتا کہ اب جب ضرورت پڑے تو اسی مسیح کو بھیج دیگا۔ ہرگز نہیں بلکہ ہم دیکھتے ہیں کہ خدا تو مسیح جیسا نہیں . . . . . . بلکہ حضرت مسیح سے بھی بہتر بنا سکتا ہے چنانچہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مسیح سے بدرجہا بہتر بنایا۔ پھر جب خدا حضرت مسیح سے بہتر پیدا کر سکتا ہے تو پھر اسکے رکھنے کی کیا ضرورت ہے۔ اور فوت شدہ کو واپس لانے کی کیا حاجت ہے قرآن کریم اور احادیث کی رو سے مردوں کا واپس اس عالم میں آنا قطعاً ناممکن ہے سورہ مومنون میں ہے۔ ثم انکم بعد ذٰلک لمیتون ۔ ثم انکم یوم القیامۃ تبعثون (مومنون رکوع اول) پھر پیدا ہونے کے بعد مروگے پھر قیامت کے دن مبعوث کئے جاؤگے اسی سورۃ میں فرماتا ہے انہا کلمۃ ھو قائلھا مرنے کے بعد پھر دنیا میں آنے کی درخواست ایسی ہے۔ کہ وہ منظور نہیں ہوسکتی کیونکہ دنیا میں اور ان مردوں کے درمیان قیامت تک روک پڑگئی ہے۔

احادیث میں حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے شہدائے احد کا ذکر مروی ہے کہ اللہ تعالےٰ نے ان سے فرمایا کہ کچھ مانگو وہ کہتے ہیں حضور نے بہت کچھ دیا ہے۔ کیا مانگیں۔ اللہ تعالےٰ فرماتا ہے مانگو چنانچہ پھر اللہ تعالےٰ سے وہ مانگتے ہیں کہ ہمیں زندہ کیا جائے کہ آپکی راہ میں پھر شہید کئے جائیں اس کے جواب میں اللہ تعالےٰ فرماتا ہے کہ سبق القول منی انہم لا یرجعون ۔ شہداء جیسی قوم مانگنے والی اور خدا دینے والا ہے۔ خود ان کو مانگنے کے لئے کہکر دینے کا وعدہ کرتا ہے مگر جب وہ مانگتے ہیں تو خدا نہیں دیتا . . . . . .

. . . .

زندہ تو کر سکتا ہے مگر یہ اس کا قانون ہے کہ مردوں کو زندہ کرکے اس عالم میں نہ لائے اسواسطے اسکے خلاف نہیں کرتا۔ پس اگر حضرت مسیح فوت ہو گئے ہیں تو وہ کبھی بھی اس دنیا میں نہیں آسکتے۔ جیسا کہ قرآن کریم سے ثابت ہو گیا ہے

آنے والے کا نام عیسیٰ کیوں رکھا گیا

اب سوال ہوتا ہے کہ جب حضرت مسیح فوت ہو گئے اور وہ آ نہیں سکتے تو آنیوالے کا نام عیسیٰ کیوں رکھا ہے اسکا جواب یہ ہے کہ نام جو رکھتے ہیں ان میں کسی کی تخصیص نہیں ہوتی اور نہ یہ ہوتا ہے کہ فلاں کے سوا اور کوئی فلاں نام نہ رکھے۔ پس جب یہ انسانوں کے لئے جائز ہے کہ وہ ایک نام دوسرے کا بھی رکھدیں تو خدا کے لئے کیوں جائز نہیں کہ وہ ایک شخص کا نام دوسرے کا بھی رکھدے خدا تعالےٰ نے بھی آنحضرت صلعم کے ذریعہ آنے والے کا نام عیسیٰ ہی رکھا اور یہ جو کہا جاتا ہے کہ نام سے اشتباہ پڑتا ہے۔ یہ غلط ہے کیونکہ صرف نام کی وجہ سے شناخت نہیں ہوا کرتی۔ بلکہ حلیہ سے ہوتی ہے مثلاً کسی شخص کا نام عبد اللہ ہو اور اسنے چوری کی ہو۔ اور گورنمنٹ نے اسکے نام وارنٹ گرفتاری جاری کیا ہو۔ تو کیا صرف عبد اللہ نام کے ہونے سے اسکو پکڑا جاسکتا ہے ہرگز نہیں۔ شناخت صرف نام کے ذریعہ نہیں ہوا کرتی کیونکہ ایک ہی نام دنیا میں سینکڑوں آدمیوں کے ہوتے ہیں اگر نام کے باعث گرفتاریاں ہوا کریں تو وہ سب کے سب ہی ایک نام والے گرفتار کر لئے جائیں۔ لیکن اس طرح نہیں ہوتا۔ بلکہ جب کسی عبد اللہ نام کے متعلق اشتہار گرفتاری ہو تو ضروری ہے کہ اسکا حلیہ بھی بتلایا جائے اور جب تک حلیہ نہیں بتلایا جائیگا اسوقت تک کسی شخص کو گرفتار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ ایک ایک نام کئی کئی شخصوں کا ہوتا ہے۔ اور

اسمیں انسان مجبور ہیں ہیں۔ کیونکہ لغت محدود ہے۔ اور ہر روز کہاں سے نئے نام پیدا کئے جائیں مگر حلیہ انسان کے اقتدار سے باہر اور خدا کے اختیار میں ہے اور وہاں حلیوں کی کمی نہیں کہ مجبوراً ایک ہی حلیہ سے لوگوں کو دیا جائے وہاں تو ہر ایک کے لئے نئے سے نیا حلیہ ہے۔ اسلئے ایک کا حلیہ دوسرے سے نہیں مل سکتا۔

پس حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اگرچہ آنے والے کا نام مسیح ابن مریم ہی رکھا۔ مگر اس کا حلیہ ساتھ بتادیا۔ اب یہ حلیہ جو ہے وہ اس پہلے مسیح کے حلیہ کے خلاف ہے کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں مسیحوں کے حلیے بتلائے ہیں۔ اب اگر ہزار آدمیوں کا نام بھی عیسیٰ رکھدیا جائے تو بھی اشتباہ نہیں پڑ سکتا۔ کیونکہ حلیوں کا اختلاف ایک کو دوسرے سے علیحدہ کرتا ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسیح ابن مریم اسرائیلی کا حلیہ سرخ رنگ اور گھونگر والے بال اور آنے والے مسیح کا گندمی رنگ اور سیدھے بال بتلائے ہیں۔ اب کوئی اشتباہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اگر نام بتلایا ہے تو نام کے ساتھ حلیہ کا ذکر بھی کر دیا ہے باقی رہا یہ کہ اگر مسیح نام نہ رکھا جاتا تو بھی اعتراض سے نہیں بچا جا سکتا تھا۔ کیونکہ اگر محمد (صلعم) ہوتا۔ یا کوئی اور نام تب بھی تو اعتراض ہوتا کہ یہ نام کیوں رکھا گیا ہے فلاں نام کیوں نہیں رکھا پس اصل بات یہی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک نام رکھا اور ساتھ ہی حلیہ بتادیا کہ تمکو نام سے دہوکہ نہ لگے اسکا حلیہ یہ ہوگا چنانچہ اب کسی عقلمند کو تو دھوکہ لگ نہیں سکتا۔

مسیح موعود ع کی آمد کا وقت

پھر مسیح موعود کی آمد کا وقت بتایا گیا۔ نشان بتائے گئے جنمیں کچھ زمینی ہیں اور کچھ آسمانی مثلاً یہ کہ اسوقت یاجوج ماجوج زوروں پر ہونگے صلیب پرستی عروج پر ہوگی۔ دجالی فتنہ ہر طرف پھیلا ہوا ہوگا۔ آسمان پر خسوف وکسوف ہوگا۔ اسوقت سفر آسان ہوجائینگے اور ایک نئی قسم کی سواری نکلے گی۔ اونٹ کی سواری کی کچھ قدر وقیمت نہیں رہے گی فرمایا لیترکن القلاص فلا یسعیٰ علیھا۔ غرض نبی کریم نے کھول کھول کر نشانات بتائے اور اسلئے کوئی اشتباہ نہیں رہ سکتا۔

اسکے علاوہ نبی کریم نے عیسیٰ کیوں نام رکھا اسکی اور غرض بھی ہے اور وہ یہ کہ چونکہ عیسوی مذہب اپنی اصلی حالت پر نہیں رہا تھا۔ اور آنے والے نے اصلاح کرنی تھی اسلئے کسی عیسیٰ کی ہی ضرورت تھی کیونکہ جس کا کام ہوتا ہے وہی کرتا ہے غیر نہیں کر سکتا چنانچہ حضرت مسیح موعود فرماتے ہیں ؎

چوں مرا نورے پئے قومِ مسیحی دادہ اند
مصلحت را ابن مریم نامِ من بنہادہ اند

چونکہ مسیحی قوم کی اصلاح حضرت عیسیٰ کا کام تھا اور وہ بوجہ فوت ہوجانے کے آ نہیں سکتے تھے اسلئے ایک دوسرے شخص کو اسی خو بو پر بھیجا گیا۔

تیسرا اختلاف

ہم میں اور غیر احمدیوں میں تیسرا اختلاف یہ ہے کہ آنیوالا نبی ہے یا غیر نبی اور آیت خاتم النبیین اور حدیث لا نبی بعدی کسی نبی کے آنے کو روکتی ہے یا نہیں؟ واضح ہو کہ آیت شریفہ خاتم النبیین کسی نبی کے آنے کو نہیں روکتی اور وہ خود اپنی وضاحت آپ کرتی ہے خدا تعالیٰ فرماتا ہے ماکان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین وکان اللہ بکل شیء علیما (سورہ احزاب رکوع ۵) محمد صلی اللہ علیہ وسلم تم میں سے کسی فرد کے جسمانی طور پر باپ نہیں لیکن خدا کے رسول اور خاتم النبیین ہیں۔ اس سورۃ میں نبی کریم کے متعلق فرمایا ہے النبی اولیٰ بالمومنین من انفسھم وازواجہ امھاتھم (سورہ احزاب رکوع ۱) کہ نبی مومنوں پر انکے اپنے نفسوں سے زیادہ مہربان ہے اور اسکی بیویاں مومنوں کی مائیں ہیں۔

اب ہم غور کرتے ہیں کہ نبی کریم کی بیویوں کا بلاواسطہ تو ہم سے کوئی تعلق نہیں بلکہ وہ اسلئے ہماری مائیں ہیں۔ کہ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی بیویاں ہیں۔ اور بواسطہ آنحضرت ہماری مائیں ہیں اور ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بیٹے ہیں۔ پھر سورہ کوثر میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے انا شانئک ھو الابتر۔ کہ تیرا دشمن ہی ابتر یعنی مقطوع النسل ہے۔ اس آیت میں آپکو نسل والا بتلایا گیا ہے۔ کیونکہ مقطوع النسل آپ کے دشمن کے متعلق فرمایا ہے۔ جس کے دوسرے معنے یہ ہیں کہ تو مقطوع النسل نہیں جیسا کہ تیرا دشمن سمجھتا ہے بلکہ تیرا دشمن اور بدخواہ ہی مقطوع النسل ہے مگر آیت خاتم النبیین میں آپ کی اولاد کی نفی کا ذکر ہے اس سے پتہ لگتا ہے۔ کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو مومنوں کا باپ قرار دیا گیا ہے اور آپکے دشمن کو ابتر۔ تو یہ جسمانی لحاظ سے نہیں۔ بلکہ نبوت کے لحاظ سے کہ آپ باپ جو تھے وہ بوجہ رسول ہونے کے باپ تھے۔ نہ جسمانی۔ اب ہم کہتے ہیں کہ کیا خدانخواستہ آنحضرت صلعم رسول نہیں ہے کہ ان کے باپ ہونے سے انکار کیا جاتا ہے۔ اس وہم کے دفعیہ کے لئے اللہ تعالیٰ نے ولکن رسول اللہ کہکر فرمادیا کہ یہ رسول تو ہے کیونکہ لکن کا لفظ زبان عرب میں دفعیہ وہم کے لئے آتا ہے پس وہ جو وہم آپکی ابوت کے انکار سے پیدا ہوتا تھا کہ نعوذ باللہ آپ رسول نہیں ہے۔ کہ جس سے آپ کے باپ ہونے سے انکار کیا جا رہا ہے اسکا دفعیہ اس طرح فرمادیا کہ نہیں یہ رسول تو ہیں لیکن صرف رسول کہنے سے آپکی کوئی فضیلت ثابت نہیں ہوتی کیونکہ سب رسول رسول ہوتے ہیں اس لئے فرمایا کہ یہ صرف رسول ہی نہیں۔ بلکہ اسکی اولاد ہے۔ اور یہ نبیوں کی مہر ہے یعنے اسکی اولاد میں بھی نبی ہونگے یہ تو ظاہر ہے کہ مہر تصدیق کے لئے ہوتی ہے۔ پس نبی کریم مصدق ہیں نبیوں کے جس کا مطلب اور کئی جگہوں پر بھی کیا گیا ہے مثلاً فرمایا فلما جاءھم رسول من عند اللہ مصدق لما معھم (البقرہ رکوع ۱۲) جبکہ ان کے پاس اللہ کی طرف رسول آیا کہ سچا کرتا تھا جو ان کے پاس تھا تو سب نبیوں کی تصدیق آپنے کی اور سب کی صداقت آپ پر موقوف ہے اور اگر آپ تصدیق نہ کریں تو وہ سچے ثابت نہیں ہو سکتے۔ پس اس آیت سے یہ ثابت ہوا کہ آپ نبیوں کی تصدیق کرنے والے ہیں۔ سو اسکو ہم بھی تسلیم کرتے ہیں۔ لیکن اس سے یہ تو کہیں بھی ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کے بعد نبی نہیں آئینگے۔

ہاں اب اعتراض ہو سکتا ہے کہ حدیث میں جو صاف طور پر آچکا ہے کہ لا نبی بعدی اور لم یبق من النبوۃ الا المبشرات۔ اسکا کیا مطلب ہوا۔ اسکا جواب یہ ہے کہ لا نبی بعدی کے معنے ہیں میرے بعد

نبی نہیں اسکو منطق کی اصطلاح میں سالبہ کلیہ کہتے ہیں۔ پس نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول کہ عیسیٰ نبی اللہ آئیگا۔ پہلے کا نقیض ہے اور اگر ایک حدیث میں ہے کہ میرے بعد نبی نہیں تو دوسری میں ہے کہ عیسیٰ نبی اللہ آئیگا۔ پس جب حدیث لا نبی بعدی کی ایک دوسری حدیث نقیض ہی اور اسکی کلیت کو توڑ رہی ہی۔ اور اس کا مقابلہ کر رہی ہے تو اس حدیث کا حدیث سے بھی معارضہ ہو گیا پس جو حدیث قرآن کریم کے بھی خلاف ہے اور حدیث کے بھی خلاف ہی تو پھر قرآن اور حدیث کو چھوڑ کر ایک کی پیروی کیوں کی جائے اور ایک حدیث کو قرآن اور حدیث کو رد کرنے والا کیوں ٹھہرایا جائے۔ حالانکہ اس کے لئے سہل طریق جو علماء میں مسلم اور جاری ہے یہ ہے کہ دو نصوص کے درمیان جب اختلاف اور تعارض ہو تو انمیں تطبیق کی کوشش کرنی چاہئے۔ جیسا کہ بعض نصوص جب مشاہدہ کے خلاف ہوتے ہیں۔ تو ان کو ظاہر سے پھیر کر باطن کی طرف اور جسمانیت سے روحانیت کی طرف لگایا جاتا ہے جیسے صم بکم عمی منافقین و کفار کے حق میں وارد ہی جنمیں ظاہر کو دخل نہیں۔ پس اس حدیث کے یہ معنے کیوں نہ کئے جائیں اور جو علماء سابقین نے بھی کئے ہیں کہ آنحضرت کے بعد کوئی ایسا نبی نہیں آئے گا جو آپکی شریعت کو منسوخ کرے جیسا کہ علامہ محمد طاہر نے تکملہ مجمع البحار میں یہی معنی اس حدیث کے بیان کئے ہیں۔ اور قرآن بھی انہی معنوں کی تائید کرتا ہے۔ جب دو متناقض حدیثوں میں اسطرح مطابقت کر دی گئی ہے تو معلوم ہو گیا کہ لا نبی بعدی سے مراد یہ ہے کہ جس قسم کے پہلے نبی آیا کرتے تھے اس طرح کے اب نہیں آیا کرینگے یعنے پہلے کسی نبی کی اتباع سے نبوت نہ ملتی تھی۔ لیکن اب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد کوئی شخص روحانی فیوض صرف آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے ہی پا سکتا ہے۔

اس بات کی تائید کے لئے بطور مثال کے ایک اور حدیث پیش کیجاتی ہے جو یہ ہے۔ اذا ھلک کسریٰ فلا کسریٰ بعدہ واذا ھلک قیصر فلا قیصر بعدہ کہ آنحضرت صلعم نے فرمایا کہ جب ایران کا بادشاہ مرجائیگا تو اسکے بعد ایران کا بادشاہ نہ ہوگا اور جب قیصر بادشاہ قسطنطنیہ مرجائیگا تو کوئی قیصر نہ ہوگا یہاں پر اس حدیث کی تشریح میں شراح حدیث بہت گھبرائے ہیں کیونکہ ان بادشاہوں کے قائمقام ان کے مرنے کے بعد ہوتے رہے ہیں اور ۱۴۵۳ء میں جا کر قسطنطنیہ مسلمانوں نے فتح کیا ہی تب قیصر کا سلسلہ منقطع ہوا ہے۔ شارحین نے اسکے معنے یہ کئے ہیں کہ جس شان کے وہ پہلے بادشاہ ہوتے تھے اب اس شان کے نہ ہونگے۔

اس حدیث سے لا نبی بعدی پر خوب روشنی پڑتی ہے کیونکہ جس طرح اس حدیث کے ہوتے ہوئے قیصر اور کسریٰ ہوتے رہے اسی طرح لا نبی بعدی کے باوجود بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد نبی آسکتا ہی ہاں جیسا کہ بعد کے قیصر و کسریٰ پہلے کی طرح نہیں ہوئے اسی طرح آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد آنیوالے نبی بھی پہلے انبیاء کی طرح براہ راست نبوت حاصل کرنے والے نہیں ہونگے۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع سے ہی نبوت پائینگے۔

پس اب جبکہ ایک نبی واقعہ میں آگیا اور خدا نے زور آور حملوں سے اسکی صداقت کو ظاہر بھی کر دیا۔ تو پھر کس طرح کہا جا سکتا ہے کہ کوئی نہیں آسکتا۔ اب میں اختصار کے ساتھ صرف دو باتیں بیان کرتا ہوں اور وہ میرے مضمون کا آخری حصہ ہیں۔

اول یہ آنے والے کا وقت کیا ہے۔ دوم یہ کہ اسکی شناخت کے معیار کیا ہیں اور ہم کس طرح سمجھیں۔ کہ وہ خدا کی طرف سے ہے اور پھر اسکے ماننے کی ضرورت کیا ہی۔

اول آنے کے متعلق کئی ایک نشان ہیں۔ میں سب سے پہلے ان کو بیان کرتا ہوں۔ جو اسکی ذات سے تعلق رکھتے ہیں اور وہ یہ کہ دیکھا جائے کہ دعوے سے پہلے اسکی کیا حالت تھی۔ اور اسکے دعویٰ کے بعد خدا نے اسکے ساتھ کیا سلوک کیا۔

ان دونوں باتوں کے متعلق قرآن کریم میں خدا تعالیٰ فرماتا ہے۔ واذا تتلیٰ علیھم اٰیٰتنا بیّنٰت قال الذین لا یرجون لقاءنا ائت بقراٰن غیر ھٰذا او بدّلہ۔ قل ما یکون لی ان ابدّلہ من تلقآئ نفسی ج ان اتبع الا ما یوحیٰ الیّ۔ انی اخاف ان عصیت ربی عذاب یوم عظیم (۱۰-۱۶)

اور جب ان کو ہماری کھلی کھلی آیات پڑھکر سنائی جاتی ہیں تو وہ لوگ جنکو ہم سے ملنے کی امید نہیں ہے کہتے ہیں کہ یا تو کوئی اور قرآن لاؤ یا اسکو بدلدو کہدو کہ مجھکو تو یہ اختیار نہیں کہ اسکو بدلدوں میں تو متبع ہوں خدا کی وحی کا جس طرح حکم ہو۔ اسی طرح کرتا ہوں اگر میں اپنے خدا کی نافرمانی کروں تو مجھے عذاب عظیم کا خوف ہے۔ پھر آگے فرمایا قل لو شاء اللّٰہ ما تلوتہ علیکم ولا ادراکم بہٖ فقد لبثت فیکم عمرًا من قبلہ افلا تعقلون (۱۰-۱۷) کہو کہ اگر خدا چاہتا تو میں تمکو نہ پڑھکر سناتا اور نہ تم کو اس سے واقف کرتا سینے تو تم میں اس سے قبل ایک بڑا حصہ عمر کا گذارا ہے کیا تم عقل سے کام نہیں لیتے۔

اس جگہ اللہ تعالیٰ انسانی عقل سے اپیل کرتا ہی کہ ہر چیز بتدریج ترقی کرتی ہے یہ نہیں کہ یک لخت کوئی چیز بڑھ جائے یا گھٹ ہو جائے۔ قانون قدرت میں ہے کہ ہر ایک چیز بتدریج ترقی کرے سو اس نبی کی پہلی زندگی کو دیکھو تم اسوقت کا اسکا کوئی جھوٹ اور کوئی فریب اور مخلوق خدا سے غداری ثابت نہیں کر سکتے تو جب اس نے اپنی ایک بڑے حصہ عمر میں ایسے کام نہیں کئے۔ تو بتاؤ جو مخلوق پر جھوٹ کا مرتکب نہیں ہوا۔ اس سے یہ کب توقع ہو سکتی ہے کہ وہ خدا پر جھوٹ بولے یہ ہرگز نہیں ہو سکتا۔

اس سے معلوم ہوا کہ جو شخص مامور من اللہ ہونیکا مدعی ہو۔ اسکی دعوے سے پہلے کی زندگی کو دیکھنا چاہئے۔ اگر وہ بے عیب ہو پاک ہو۔ تو ضرور ہے کہ اسکا دعویٰ بھی سچا ہو۔

نبی کے صادق اور راستباز ہونے کی یہی دلیل ہی کہ اسکی پہلی زندگی کو دیکھا جائے کیونکہ خدا کے برگزیدہ بندوں کی صداقت کی پہلی دلیل ان کی دعویٰ سے پہلے کی زندگی ہوتی ہی۔

دوسری دلیل

پھر خدا تعالیٰ فرماتا ہے ومن اظلم ممن افترےٰ علی اللّٰہ کذباً او کذب بآیٰتہٖ انہ لا یفلح المجرمون

گذشتہ زندگی ہی اسکے دعویٰ کو سچا ثابت کر سکتی ہے لیکن اگر یہ دلیل کافی نہ ہو تو دعوے کی بعد کی زندگی کی طرف چلو اور دیکھو کہ اگر یہ جھوٹا ہے تو اپنے مقاصد میں ناکامیاب ہوگا اور اسکا تانا بانا بکھر جائیگا لیکن اگر وہ صادق ہے تو اسکی مخالفت کرنے والا اور اسکو جھٹلانیوالا ضرور ناکام ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ظالم کامیاب نہیں ہوسکتا

پس اگر یہ مدعی جھوٹا ہے تو ظالم ہے اور یہ خدا کی گرفت سے نہیں چھوٹ سکتا کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ دنیوی گورنمنٹ بھی جعلی حاکم بننے والے شریروں کو نہیں چھوڑا کرتی۔ تو وہ خدا جو مخلوق کے لئے اپنے خاص بندوں کو بھیجتا ہے کب جھوٹوں کو چھوڑ سکتا ہے وہ ضرور انکو سزا دیتا ہے جیسے فرمایا ہے ولو تقول علینا بعض الاقاویل لاخذنا منہ بالیمین ثم لقطعنا منہ الوتین ط کہ اگر ہمپر کوئی جھوٹ باندھے تو ہم اسکو ہلاک کردیں اور کوئی اسکو بچا نہ سکے۔

پس معلوم ہوا کہ خدا پر جھوٹ بولنے والا کبھی اپنے مقاصد میں کامیاب نہیں ہوسکتا۔ اب ہم دیکھتے ہیں کہ کامیابی سے کیا مراد ہے۔ جو نبوت کا مدعی ہوگا اسکی کامیابی ویسی ہی ہوگی جیسے دوسرے انبیاء کی۔ انبیاء ایک بیج بویا کرتے ہیں ان کے بعد ان کے جانشین اسکی آبیاری کرتے ہیں جس سے وہ بڑھتا پھلتا اور پھولتا ہے۔

اب ہمیں غور کرنا چاہئیے کہ حضرت مسیح موعودؑ کی آمد کے مقاصد کیا ہیں؟ سو ہم اپنے آپ پر غور کرتے ہیں کیونکہ ایک طبیب کے مقاصد ایک بیمار مریض سے بڑھکر کوئی نہیں جان سکتا۔ مسلمانوں میں دو قسم کی بیماریاں ہیں اور یہ کہ مسلمان صرف نام اور رسم کے مسلمان رہ گئے ہیں۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت دلوں سے سرد ہوگئی تھی۔ دوسرے بیرونی طور پر اسلام پر حملہ ہو رہے تھے۔ اسوقت ضرورت اس بات کی تھی کہ مسلمان حقیقتاً مسلمان ہوں اور بیرونی طور پر جو حملے کئے جا رہے تھے۔ انکا دفعیہ ہو اور غیر مذاہب جو آجتک اسلام پر حملہ کرتے جاتے ہیں ان کے حملوں کو رد کرکے انپر حملہ شروع کر دئیے جائیں۔ اور عام طور پر ہر ایک محسوس کر سکے کہ یہ باتیں ہوگئیں اب اس مدعی کو دیکھنا چاہئیے کہ اس نے ان باتوں کو پورا کیا ہے یا نہیں ہم دیکھتے ہیں اس نے ہندو۔ مسلمان۔ یہود و نصاریٰ کو ایک پلیٹ فارم پر جمع کر دیا۔ اور احمدی کے نام کو وہ رعب حاصل ہوا۔ کہ کسی کو تاب مقابلہ نہیں ہی ایک دوست جو بنگال سے آئے ہیں بیان کرتے ہیں کہ وہ قادیان کی طرف آرہے تھے کہ اثنائے سفر میں ایک شخص ایک ہندو پر اعتراض کر رہا تھا اور یہی نہیں کہ اس شخص کا حملہ صرف ہندو مذہب پر تھا۔ بلکہ وہ اسلام پر بھی اعتراضات کر رہا تھا۔ ہندو سے کچھ بن نہ پڑا۔ اس دوست نے بیان کیا کہ میں نے کہا میں جواب دیتا ہوں معترض نے پوچھا آپ کہاں سے آئے ہیں اور کہاں جاتے ہیں میں نے جواب دیا کہ بنگال سے آرہا ہوں اور قادیان جاتا ہوں یہ سنکر اسنے کہا ہم آپ پر اعتراض نہیں کرتے۔ اور خاموش ہو کر بیٹھ گیا جانتے ہو وہ چیز کیا تھی کہ اسقدر شدومد سے اعتراض کرنے والا آدمی جب قادیان کا نام سن لیتا ہے خاموش ہو جاتا ہے۔ وہ یہی تھی کہ خدا نے اس انسان کے ذریعہ اسلام کو تمام مذاہب پر بالا کر دکھایا اور کوئی شخص احمدی گرفت کا جواب نہیں دے سکتا۔

غرض اب دیکھنا یہ ہے کہ خدا نے اس سے کیا معاملہ کیا کیا خدا کا معاملہ اسکو سچا ثابت کر رہا ہے۔ یا نعوذ باللہ جھوٹا سو اس بات پر غور کرو۔ کہ خدا کی تائیدات نے حضرت مسیح موعود کو راستباز ثابت کیا ہے۔ بارش ہوتی ہے اگر کوئی شخص اس سے فیضیاب نہ ہو تو بادل کا قصور نہیں اسی طرح اگر کوئی شخص حضرت مسیح موعودؑ کو قبول نہیں کرتا تو اسمیں کسی کا کیا قصور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نبی کریم کے آنیکے دو مقصد بیان فرمائے ہیں فرماتا ہے تبارک الذی نزل الفرقان علیٰ عبدہٖ لیکون للعٰلمین نذیرا (سورہ فرقان رکوع اول) تمام برکتیں اس خدا کے لئے ہیں جس نے قرآن اپنے بندے پر نازل کیا ہے تاکہ وہ ڈرانے تمام جہانوں کو۔

پھر فرماتا ہے وما ارسلنٰک الا رحمۃ للعٰلمین ہمنے تجھے تمام جہان کے لئے رحمت بنا کر بھیجا ہے اس سے معلوم ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کے دو مقصد تھے۔ اول یہ کہ تمام جہان کو ڈرائیں دوسرے یہ کہ سب کے لئے رحمت تھے اب سوال ہوتا ہے کہ کیا آپ نے سب جہانوں کو ڈرایا اور سب تک آپکی آواز پہنچگئی اسکے متعلق یہ دیکھ لینا چاہئیے کہ آپ کی وفات کے وقت تمام عرب بھی مسلمان نہیں ہوچکا تھا اور جسوقت آپ فوت ہوگئے اسوقت صرف مکہ۔ جواثہ۔ مدینہ میں اسلام تھا یہ نہیں کہ آپ نے تمام جہان کو اپنی زندگی میں ڈرایا ہو۔ اور اس مقصد کو جو ان آیات بالا میں بیان کیا گیا ہے۔ پورا کرکے فوت ہوئے ہوں بلکہ آپکو ایسی چیز دی گئی ہے جس سے کہ تمام جہان کو انذار ہوسکتا ہے اور وہ یہ کہ فرمایا واوحی الی ھٰذا القراٰن لانذرکم بہٖ ومن بلغ (انعام رکوع ۱) اور میری طرف یہ قرآن وحی کیا گیا ہے تاکہ اسکے ساتھ میں تمہیں ڈراؤں اور اسکو بھی جہاں یہ قرآن پہنچے۔

اسی طرح حضرت مسیح موعود نے کتب تصنیف فرمائیں اور خدا کے الہام کے ماتحت ان میں وہ باتیں بیان فرمائیں جن سے تمام دنیا کی اصلاح ہوسکتی ہے اور ایک ایسی جماعت تیار کر دی اور ان کا ہر ایک جگہ کچھ نہ کچھ حصہ پھیلا دیا گیا ہر ایک ملک میں راہیں کھولدی گئیں چاہیے ایک آدمی ہی اس دروازہ سے گزرے مگر وہ دروازہ کھلا ہوا ہے اور آپنے ہمیں اس قسم کے اصول بتلائے ہیں کہ جنکے آگے کوئی شخص اہل باطل میں سے نہیں ٹھہر سکتا اسوقت میں موٹے موٹے دو اصول ذکر کرتا ہوں اول یہ کہ ہر ایک شخص جو کسی مذہب سے تعلق رکھتا ہے اسپر فرض ہے کہ وہ اپنی کتاب سے دعویٰ کرے۔ اور اسی سے دلیل دے یہ ایک ایسا اصول ہے جس کے سامنے کوئی مذہب نہیں ٹھہر سکتا۔

دوسرے یہ کہ مذہب کہتے ہیں رستہ کو سب مذاہب کہتے ہیں کہ ہم خدا تک پہنچاتے ہیں۔ اور ہر ایک مذہب کا یہی دعویٰ ہے کہ وہ اپنے پیروؤں کو خدا تک پہنچاتا ہے اور خدا سے ملا دیتا ہے اب ہر ایک مذہب

کا فرض ہے کہ اس دعویٰ کیساتھ نمونہ بھی پیش کرے یعنے کسی ایک فرد کو پیش کرے کہ فلاں مذہب کا پیرو خدا تک پہنچا ہُوا ہے۔ اگر کوئی مذہب نمونہ پیش نہیں کر سکتا تو معلوم ہُوا۔ کہ وہ راستہ خدا تک نہیں پہنچاتا اور اسکی بجائے ایک اور راستہ تیار ہو گیا ہے۔ جس پر چلنا انسان کو منزل پر پہنچاتا ہے۔

کیا اس موعود کا ماننا ضروری ہے؟

اب سوال ہوتا ہے کہ کیا اس شخص کا ماننا ضروری ہے اسکا جواب یہ ہے کہ اگر اسکا ماننا ضروری نہ ہوتا تو یقیناً وہ آتا ہی نہ کیونکہ خدا تعالیٰ لغو کام نہیں کیا کرتا۔ پس اسکا آنا اور خدا کی طرف سے آنا اور نشانات کے ساتھ آنا دلیل ہے اس بات کی کہ اسکو قبول کیا جائے پھر ہر ایک شخص کو خود غور کرنا چاہیئے کہ کیا ہماری حالت ایسی نہیں ہے کہ ہم میں کوئی مصلح نہ بھیجا جائے۔ جب دنیا اپنی حالت کے لحاظ سے اس مقام پر جا کھڑی ہوئی تھی جو کفار کا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ خدا کی طرف سے کوئی مامور و مصلح نہ آئے اور جب آئے تو اسکو قبول نہ کیا جائے۔

چونکہ سلسلۂ انبیاء پر غور کرنے سے ہمیں یہی معلوم ہوتا ہے کہ ایک نبی کی امت جب بگڑ گئی تو خدا نے ایک اور نبی بر پا کیا جس نے آکر اصلاح کی اسلئے اب بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے۔

غرض جس طرح پہلے ضرورت کے وقت خدا کے مرسل آتے اور بگڑے ہوؤں کو درست کرتے رہے ہیں اب بھی ایسا ہی ہونا چاہیئے۔ بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ کسی مامور کی ضرورت نہیں قرآن سے ہی اصلاح ہو جائے گی یہ غلط ہے ایسا نہیں ہو سکتا۔ دیکھو آج کثرت سے کتب ہیں۔ کہ جن کا شمار کرنا ہی مشکل ہے ہمنے بڑے بڑے مولویوں کی بابت سنا ہے۔ کہ وہ بخاری شریف کی زیارت کی تمنا میں ہی اس جہان سے گذر گئے۔ لیکن آج چند روپیہ میں بخاری شریف ہر جگہ سے مل سکتی ہے تو کتب پہلے زمانہ کی نسبت زیادہ ہیں۔ اگر کتب ہی سے اصلاح ہو سکتی ہے تو کیا وجہ ہے کہ آج جبکہ کتب زیادہ ہیں۔ لوگوں کی حالت پہلے کی نسبت زیادہ خراب ہو رہی ہے۔ اور اُسوقت جبکہ لوگ کتابوں کو ترسا کرتے تھے۔ اس زمانہ کی نسبت لوگوں کی حالت اچھی ہُوا کرتی تھی۔ پھر دیکھو نبی کریم نے آخری زمانہ کی نسبت فرمایا ہے کہ آخری زمانہ میں قرآن اٹھ جائے گا۔ صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ ہم پڑھینگے ہماری اولاد بھی پڑھیگی۔ پھر قرآن اٹھایا کس طرح جائیگا فرمایا عمل نہیں رہیگا۔

غرض صرف کتب سے امراض کا علاج نہیں ہو سکتا طریق اصلاح ہمیشہ سے یہ ہے کہ خدا کی طرف سے انبیاء آتے ہیں۔ اور وہ نمونہ کے طور پر سب اخلاق و اعمال کرکے دکھاتے ہیں وہ اپنے نمونہ سے دعا سے لوگوں کی اصلاح کرتے ہیں۔ اگر صرف کتب سے ہی علاج ہو سکتا تو خدا کو رسول بھیجنے کی کوئی اور ضرورت نہ تھی وہ کتابوں کو آسمان سے اُتار دیا کرتا۔ لوگ اس پر عمل کر لیا کرتے۔ سو صرف کتب سے اصلاح نہیں ہو سکتی۔

بیعت کی ضرورت

بعض لوگ کہا کرتے ہیں کہ بیعت کی کیا ضرورت ہے؟ وہ لوگ اصل میں واقف نہیں جس طرح جسم کا روح سے تعلق ہے اسی طرح روح کا جسم سے ہے۔ روح کی تاثیرات جسم پر ہوتی ہیں جو شخص مبتلائے ہے ضروری ہے کہ اسکی روح میں بھی تکدر پیدا ہو جائے۔ کیونکہ ظاہر کا باطن پر اور باطن کا ظاہر پر اثر ہوتا ہے۔ اگر صرف زبان سے کہدینا کافی ہے تو پھر خدا کو مان لیا کہ وہ بڑا ہی اور کیا ضرورت ہے کہ اسکی عبادت بھی کیجائے اور حج کے لئے ایک کوٹھے کے پاس دوڑ کر جایا جائے۔

اسکی صرف زبان سے حمد کر دی اور کافی ہو گئی پھر کیوں فرمایا کہ ان الذین یبایعونک انما یبایعون اللہ۔ کہ جو تیری بیعت کرتے ہیں وہ خدا کی بیعت کرتے ہیں۔ نبی کریم تو خدا نہیں ہیں۔ پس خدا جیسا روح کا خالق ہے ویسا ہی جسم کا بھی ہے۔ دونوں کے تعلق کا جو اثر ہے وہ ظاہر پر بھی ہونا چاہیئے۔ اگر ظاہر پر اثر نہ ہو تو روح مٹ جائے جس طرح روح کے اندر ایک عظمت اور محبت کسی چیز کی ہو اسی طرح جسم اس روحانی تاثیر کا مترجم ہُوا کرتا ہے خدا تعالےٰ فرماتا ہے ومن یعظم شعائر اللہ جس کے دل میں خدا کی عظمت ہے وہ ضرور شعائر اللہ کی بھی تعظیم کریگا۔ پس جس طرح اور ارکان ادا کرنے پڑتے ہیں اسی طرح بیعت بھی ہے ورنہ ظاہری نماز کیا ہے؟ وہ صرف روح کی اطاعت کا اظہار ہے تو وہ جو خدا سے معاملہ ہے اور دل میں اعتقاد ہے کہ خدا کی راہ میں جان و مال دینگے بیعت میں اسکا اظہار ہے۔ کیونکہ خدا تو نظر نہیں آتا۔ مگر اسکی طرف رہبری کرنے والے جو اُسی کی طرف سے ہوتے ہیں وہ اسکے نبی رسول اور خلیفہ ہوتے ہیں۔ انکی بیعت انکی بیعت نہیں ہوتی۔ بلکہ خدا کی ہوتی ہے کیونکہ خدا کے ساتھ جو روحانی رنگ میں عہد ہے جسمانی رنگ میں اسکا اقرار کیا جاتا ہے کہ ہمنے جو عہد کیا ہے کہ خدا کی راہ میں جان و مال دیدینگے اب ہم جسمانی طور پر بھی اقرار کرتے ہیں کہ ہماری روح اور جسم دونوں اس راہ میں فدا ہونے کے لئے تیار ہیں۔

چونکہ وقت ختم ہو گیا اسلئے میں عملی طور پر فائدہ حاصل کرنے کی نصیحت کرتا ہُوا اپنا مضمون ختم کرتا ہوں۔

انوارِ خلافت

حضرت امیر المومنین خلیفۃ المسیح ثانی ایدہ اللہ تعالیٰ نے گذشتہ سالانہ جلسہ پر اسمہ احمد کے متعلق جو تقریر فرمائی تھی وہ حضور کی دوسری تقریروں کے ساتھ چھپکر تیار ہو گئی ہے اسی تقریر میں تمام دنیا کے عالموں اور فاضلوں کو چیلنج دیا گیا ہے اسمیں حضرت مسیح موعود کا نام احمد ہونے کے متعلق بڑے زبردست دلائل دیئے گئے ہیں جن کا توڑنا ناممکن ہے۔ ہر ایک احمدی کو یہ دلائل ازبر یاد ہونے چاہئیں یہ تقریروں کا مجموعہ بنام انوارِ خلافت ۲۰×۲۶ کے ۱۸۴ صفحوں پر مشتمل ہے دوسری تقریریں بھی بیش بہا معارف اور نکات کا مجموعہ ہے۔ کاغذ لکھائی چھپائی عمدہ قیمت صرف ۱۰/

ملنے کا پتہ

مینیجر الفضل قادیان

اہلحدیث کے اعتراضات کا جواب

(خاص اخبار الفضل کے لئے لکھا گیا)

مولوی ثناء اللہ امرتسری نے ایکدفعہ سوال کیا تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جو نبوت مسیح موعود کے لئے واسطہ ہیں تو یہ واسطہ فی العروض ہے یا واسطہ فی الثبوت۔ اس کا جواب انہی ایام میں اخبار فاروق قادیان مورخہ ۲۷ جنوری ۱۹۱۶ء میں شائع ہو گیا تھا۔ کہ آنحضرت صلعم نبوت مسیح موعودؑ کے لئے واسطہ فی الثبوت بمعنی اتصافہما ہیں۔ اور تشریح کے لئے یہ بھی لکھا گیا تھا کہ جس طرح کہ جسمانی سراج منیر جسمانی قمر کے منیر بنانے میں واسطہ فی الثبوت اس معنے سے ہے کہ دونوں انارت کے ساتھ متصف ہیں۔ اسی طرح روحانیت کا سراج منیر (محمدؐ) روحانیت کے قمر (احمدؑ) کے منیر بنانے میں واسطہ فی الثبوت اس معنی سے ہے کہ دونوں انارت (نبوت و رسالت) کے ساتھ حقیقتاً متصف ہیں۔ اور قرآن مجید نے آنحضرت صلعم کو سراج منیر قرار دیکر اس مسئلہ کو حل کر دیا ہے اور الہامات میں بھی احمدؑ کو قمر اور بدر قرار دیکر اسی حقیقت کو آشکارا کیا ہے۔"

باوجود اس جواب کے شائع ہو جانے کے مولوی ثناء اللہ نے کئی بار پھر اس سوال کا اعادہ کیا ہے چنانچہ اخبار اہلحدیث مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۱۷ء میں پھر لکھا ہے کہ پہلے ایکدفعہ ہمنے پوچھا تھا۔ کہ مرزا صاحب کو جو آپ لوگ بواسطہ نبوت محمدیہ نبی کہتے ہیں۔ اس واسطہ سے کونسا واسطہ مراد ہے بہت دنوں کے بعد * * جواب ملا تھا ہم واسطہ فی الثبوت مانتے ہیں جب ادہر سے جواب دیا گیا کہ واسطہ فی الثبوت میں حرکت ایک ہی ہوتی ہے جس سے واسطہ اور ذوواسطہ دونوں متصف ہوتے ہیں پس اگر نبوت مرزائیہ نبوت محمدیہ سے بواسطہ فی الثبوت متصف ہے تو نبوت محمدیہ کے جملہ اوصاف اس میں ہونے چاہئیں۔ منجملہ ایک وصف خاتم النبیین بھی ہے تو کیا مرزا صاحب اس وصف سے موصوف ہیں۔ اسکا جواب آجتک نہیں ملا۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ لوگ علوم آلیہ سے واقف نہیں۔ یا مانوس نہیں۔" چونکہ اصل جواب پہلے شائع ہو چکا ہے اور اسکا خلاصہ بھی اوپر آچکا ہے اسلئے تفصیل سے لکھنے کی ضرورت نہیں ہے۔ ہاں یہ بات جو مولوی ثناء اللہ نے لکھی ہے کہ واسطہ فی الثبوت میں حرکت ایک ہی ہوتی ہے۔ جس سے واسطہ اور ذی واسطہ دونوں برابر متصف ہوتے ہیں اسلئے مسیح موعود کی نبوت میں بھی وہ جملہ اوصاف ہونے چاہئیں جو نبوت محمدیہ میں تھے منجملہ جن کے ایک وصف خاتم النبیین بھی ہے اس کا دو حرفہ جواب یہ ہے کہ جناب والا! یہ آپ کی سراسر جہالت اور نادانی ہے یہ بات آپ کبھی ثابت نہیں کر سکتے کہ واسطہ فی الثبوت میں جملہ اوصاف واسطہ کے ذوالواسطہ میں پائے جانے چاہئیں۔ رہا یہ کہ اسمیں حرکت ایک ہی ہوتی ہے۔ اگر آپ کو منطقی ہونیکا دعویٰ ہے تو آئیے اور میدان بنئے اور کسی کتاب کا حوالہ دیجئے معلوم ہوتا ہے کہ طالبعلمی میں جو ایک مثال ہاتھ اور چابی کی حرکت کی سنی ہوئی تھی وہی آپکو یاد ہے۔ اور اسی ایک مثال سے آپ کو ٹھوکر لگی ہے اگر آپ ذرا بھی سمجھتے تو ایسی ناقابل عفو غلطی نہ کرتے۔ ذرا بتائیے تو سہی کہ جب آگ سے پانی کو تھوڑا یا بہت گرم کیا جائے تو عروض حرارت میں پانی کیلئے آگ واسطہ فی الثبوت ہوگی یا نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس صورت میں آگ پانی کے لئے واسطہ فی الثبوت ہی ہوگی۔ حالانکہ پانی کو خواہ کتنا ہی تیز گرم کیوں نہ کیا جائے اسمیں آگ کی جملہ اوصاف ہرگز پیدا نہیں ہوتے اور نہ ہی ان دونوں کی حرارت ایک ہوتی ہے کیونکہ آگ میں تو پانی کے گرم ہونے سے پہلے ہی حرارت موجود ہوتی ہے اور جب پانی کو آگ پر سے اتار لیا جائے تو بعد میں بھی پانی بہت دیر تک گرم رہ سکتا اور رہتا ہے غرض واسطہ فی الثبوت کے لئے یہ ہرگز ضروری نہیں کہ واسطہ اور ذوالواسطہ دونوں میں ایک ہی وقت میں عروض عارض ہو۔ اور برابر وقت تک انہیں متحقق رہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ واسطہ کے جملہ اوصاف ذوالواسطہ میں پائے جائیں۔

بالآخر میں حضرت مسیح موعودؑ کا یہ قول نقل کرکے کہ

"میں ایک بروز محمدی جمیع کمالات محمدیہ کے ساتھ آخری زمانہ کے لئے مقدر تھا۔ سو وہ ظاہر ہو گیا۔"

(ایک غلطی کا ازالہ)

اس مختصر سے جواب کو ختم کرتا ہوں اور امید کرتا ہوں کہ مولوی ثناء اللہ اپنی منطق دانی کا ثبوت دینے کیلئے اس مسئلہ کے متعلق کسی منطقی کا حوالہ پیش کرینگے۔ اور یہ کہنے کا موقعہ نہ دیجئے۔ کہ مولوی صاحب علوم آلیہ سے واقف نہیں یا مانوس نہیں۔

(۲) اسی پرچہ اہلحدیث مورخہ ۱۹ جنوری ۱۹۱۷ء میں ایک سوال یہ چھپا ہے کہ حضرت خلیفہ ثانی کو جو فضل عمر کہا جاتا ہے تو فضل عمر میں اضافت کیسی ہے اس کا جواب یہ ہے کہ یہ الفاظ الہامی ہیں اور الہام میں اضافت یا عدم اضافت کی کوئی تصریح نہیں ہے اور نہ یہ ضروری ہے کہ ایسے مرکب ناموں میں کوئی اضافت پائی جاوے بلکہ نحاۃ نے تصریح کی ہے کہ ترکیب مزجی میں عدم اضافت ہی زیادہ فصیح ہے اور اگر مولوی ثناء اللہ کو یہی شوق ہے کہ اسکو مضاف ہی سمجھنا چاہیئے تو ہماری طرف سے یہ جواب ہے کہ پھر فضل عمر میں ایسی ہی اضافت ہے جیسے کہ نحویوں نے ترکیب مزجی بعلبک وغیرہ کی صورتوں میں مانی ہے اگر آپکو علم نہ ہو تو ہمع الہوامع سیوطی کی عبارت ذیل پڑھ لیں کتاب مذکور کی جلد اول صفحہ ۱۷ میں علامہ موصوف لکھتے ہیں۔ والمختوم بویہ کمعدی کرب و بعلبک ففیہ ثلاث لغات الفصحیٰ اعراب مالا ینصرف علی الجزء الثانی وفتح آخر الاول للترکیب۔ والثانی یکون یا کمعدی کرب فیسکن او منونا۔ ویلیہا اضافۃ صدرہ الی عجزہ۔ فیخفض الخ حاصل مطلب یہ کہ فضل عمر میں قواعد نحو کے رو سے تین اعتبار ہو سکتے ہیں۔

اول جو سب سے زیادہ فصیح ہے یہ ہے کہ اضافت کا اعتبار نہ کیا جاوے اور جزو اول کو مفتوح الآخر اور جزو ثانی کو غیر منصرف پڑھا جاوے

دوم یہ کہ ترکیب مزجی کا اعتبار کرتے ہوئے پہلی جزو کو دوسری جزو کی طرف مضاف سمجھا جاوے

تیسری صورت یہ کہ دونوں جزوں کو بلا اعتبار اضافت کے مبنی علی الفتح سمجھا جاوے۔

(باقی آئندہ)

نیکوبار شمالی میں تبلیغ

جناب شیخ عبدالرحمن صاحب بی اے تحریر فرماتے ہیں کہ خدا کے فضل سے نیکوبار شمالی میں جانے کی توفیق ملی اور وہاں صرف چھ گھنٹے جہاز ٹھہرا۔ وہاں بہت لوگ جمع ہو گئے اور ان کو خوب تبلیغ کی۔ اور ایک صاحب بابو نواب علی صاحب جو ابھی تک سلسلہ میں داخل نہیں ہیں۔ انہوں نے پندرہ کے قریب سوداگروں کو اپنے مکان پر بلا کر تبلیغ کرائی۔ وہاں کے اصلی باشندے پہلے وحشی اور درندے تھے مگر اب صرف تہ ژاگی پہنتے ہیں اور پہلے کی نسبت اب کچھ صلاحیت پیدا ہو گئی ہے۔

اعلان نکاح

میاں عبدالسلام صادق ابن جناب مفتی محمد صادق صاحب کے نکاح کا اعلان حضرت خلیفۃ المسیح ثانی نے ۳ فروری ۴۱ء کو قبل خطبہ جمعہ کبریٰ خاتون بنت بابو محمد علی خان صاحب شاہجہانپوری سے مبلغ پانچسو روپیہ مہر پر کیا۔ اللہ اس نکاح کو بابرکت کرے۔

درخواست دعا

برادر الٰہی بخش صاحب ساکن پونچھ میدان جنگ میں زخمی ہو گئے ہیں اور برادر محمد رمضان صاحب ساکن لودھراں نمونیہ سے بیمار ہیں احباب ان دونوں کی صحت کے لئے دعا فرمائیں۔ مرزا امداد بیگ صاحب قصبہ جرگ سے اپنے برادر زادہ محمد علی بیگ کے امتحان میں پاس ہونے کے لئے درخواست دعا کرتے ہیں۔

جناب ڈاکٹر سید عبدالستار شاہ صاحب اپنے صاحبزادہ ڈاکٹر سید حبیب اللہ شاہ کے لئے جو میدان جنگ میں بھیجے گئے ہیں دعا کی درخواست کرتے ہیں نیز اپنے بڑے صاحبزادہ سید ولی اللہ شاہ صاحب کے لئے بھی جو ملک شام میں ہیں۔ اور جن کے متعلق عرصہ سے کوئی صحیح خبر نہیں بصحت واپس آنے کیلئے درخواست دعا کرتے ہیں۔

نیز بابو عبدالحمید خان صاحب پلیٹن نمبر ۱ لکھنؤ اپنی اہلیہ کے لئے دعاء صحت کی درخواست کرتے ہیں۔

نماز جنازہ

شیخ محمد نمبردار موضع ... ضلع گجرات جو ایک مخلص اور پرانے احمدی تھے۔ اور سید عابد علیشاہ صاحب سکرٹری انجمن احمدیہ گوجرہ جو بڑے متقی۔ بردبار۔ اور قوی الایمان احمدی تھے۔ بعارضہ قولنج چند روز بیمار رہ کر راہی ملک عدم ہو گئے ہیں۔ نیز اہلیہ صاحبہ حاجی واحد بخش لودھراں اور مسماۃ فضل بیگم دختر سید تاج شاہ صاحب سوبیدار میجر کہیڑ تحصیل کہاریاں اور مسماۃ اشرف بی بی دختر سید مقبول شاہ صاحب فوت گئی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ احباب ان سب کا جنازہ غائب پڑھیں اور دعائے مغفرت کریں۔

الحمل بہشتی مقبرے میں

"حضرت نفضل عمر کے ارشاد سے مقبرہ بہشتی میں ایک دو قبریں پہلے تیار رہتی ہیں خدا مہتمم مقبرہ کو زندہ سلامت باکرامت رکھے جنہوں نے اس ارشاد کی تعمیل کے علاوہ اس سے ایک ایسا کام لیا جو بیس گھنٹے کا مسلسل وعظ اور ہزار صفحہ کی کتاب سے بھی نہ ہو سکے۔ یعنی قبریں کھلی رہنے دیں انہیں کسی تختے سے ڈھانک نہیں دیا۔ اسکا یہ فائدہ ہے کہ علی الصباح چو مردم بکار و بار برند۔ مجھ سے بلاکشان محبت جب کوئے یار کو جاتے ہیں۔ اندھیرے میں یہ روح فرسا جانگسل نظارہ (کہ ایک چھوڑ دو قبریں کھلی پڑی ہیں) دل و دماغ پر وہ اثر پیدا کرتا ہے جس کا ایک شمہ اس نظم کے حصہ اول سے ہویدا ہے اور پھر جو ماسوی اللہ کو چھوڑ خدا سے لو لگانے کا جذبہ پیدا ہوتا ہے اور نئے سر سے عہد بیعت تازہ کرنیکو جی چاہتا ہے وہ نظم کے حصہ دوم میں ملاحظہ ہو"

کس بہشتی کے لئے آغوش پھیلائی ہے تو
دیکھئے اب کس کو اپنی گود میں لائی ہے تو

دیکھئے مامن ترا بنتا ہے کس کا خوابگاہ
لیٹتا ہے کون یاں آرام سے شام و پگاہ

تو میرے محبوب کے رستے میں ہے پہلی سرا
تجھ سے آتی ہے کسی کے باغ کی ٹھنڈی ہوا

تیری خاموشی میں مضمر ہے کسی کا بولنا
تیری بندش میں نہاں ہے عقدہ جاں کھولنا

روئے دلبر تیری تاریکی میں آتا ہے نظر
وسعت صحرائے عشق اس گوشہ میں ہے مستتر

جو یہاں آیا یہیں کا ہو رہا۔ کیا بات ہے
بھول جاتا ہے وہ خویش و اقربا کیا بات ہے

جیسے جی ملتی نہیں۔ تو ایک ایسی چیز ہے
کیوں نہ ہو آخر مرے محبوب کی دہلیز ہے

تجھ سے خوف آتا ہی لیکن پھر بھی ہم کرتے ہیں پیار
جان نکلتی ہے مگر تجھ پر ہی مرتے ہیں ہزار

تو اگر اک بار ملجائے تو اللہ کی قسم
حشر تک تجھ سے لپٹ کر سوئیں اک پہلو پہ ہم

(۲)

پھر مرے داغ جنوں تازہ ہوئے ہیں دوستو!
پھر ہوا سودا کسی کا جلد کچھ درماں کرو
پھر کسی کے ابروئے خمدار کا گھائل ہوا
پھر کسی کے حسن دل افروز کا قائل ہوا
پھر نگاہ شوق نے رخنہ کیا دیوار میں
پھر لگا دن رات رہنے میں خیال یار میں
پھر کسی کے غمزۂ دلکش نے بلوایا مجھے
پھر کسی کے عشوۂ نازش نے ٹہلایا مجھے
پھر کسی کوچے میں انکی جستجو ہونے لگی
پھر رقیبوں سے مری تم تم ہے تو ہونے لگی
پھر ہوا ہنگامہ برپا ان کی بزم ناز میں
پھر لکھے جانے لگے مکتوب حرف راز میں
پھر کسی صیاد نے تاکا ہے میرا آشیاں
پھر چلائے جا رہے ہیں۔ مجھ پہ تیر بے کماں
پھر سراپا چھا گیا کوئی دل مایوس پر
پھر لگے پروانے گرنے حسن سکفانوس پر